آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

مذاہب عالم پر نظر

جلد (٦)

از جنوری ۱۹۰۷ء لغایت دسمبر ۱۹۰۷ء

ایڈیٹر ——— محمد علی

قیمت عار ۔ مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے چھپکر شایع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ جنوری ۱۹۰۷ء نمبر (۱)

فہرست مضامین

فہرست مضامین ریویو آف ریلیجنز
جلد ۶ سنہ ۱۹۰۷ء

[۴] ان احادیث پر مفصل بحث جن میں نسخ کا ذکر ہے ۴۰۷ سے ۴۳۱

متفرق مضامین

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۶ء بشّرھم بایّام اللہ وذکّرھم تذکیرا۔ ترجمہ۔ انکو خوشخبری دے اللہ تعالیٰ کے دنوں کی اور انکو نصیحت کر نصیحت کرنا۔ ۳۔ جنوری ۱۹۰۷ء کی صبح کو حضور نے تین چار روز کے الہام اور خواب سنائے۔ (۱) سَاُکْرِمُکَ اِکْرَامًا عَجَبًا وکان اللہ علیٰ کل شیٔ مقتدرا۔ ترجمہ۔ عنقریب میں تیری عجیب عزت ظاہر کرونگا اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ ۲۔ رؤیا۔ شریف احمدؐ کو خواب میں دیکھا کہ اُس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں ایک نے شریف احمدؐ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ وہ بادشاہ آیا۔ دوسرے نے کہا کہ ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے فقط۔ فرمایا۔ قاضی حَکَمؐ کو بھی کہتے ہیں قاضی وہ ہے جو تائید حق کرے اور باطل کو رد کرے۔

فرمایا۔ چند سال ہوئے ایکدفعہ ہم نے عالم کشف میں اسی لڑکے شریف احمدؐ کے متعلق کہا تھا کہ اب تو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں۔ اور جب یہ پیدا ہوا تھا۔ تو اُسوقت عالم کشف میں مَیں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک روپیہ اُترا اور میرے ہاتھ پر رکھا گیا اسپر لکھا تھا۔ مُعَمَّر اللہ۔

عید فنڈ

عام تحریک کے علاوہ مَیں خصوصیت سے اس فنڈ کا ذکر دوبارہ اسلیے کرتا ہوں کہ عید کا موقعہ قریب ہے اور اس دن اکثر دوستوں کو پوری ہمت دکھانیکا موقع ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ عید سے پہلے کسی دن ہر ایک احمدیہ انجمن اپنا ایک اجلاس عید فنڈ کی تحریک کے لیے کرے اور اس اجلاس میں سب دوستوں کو توجہ دلائی جاوے کہ سال میں یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ اگر پوری کوشش کیجاوے تو مدرسہ کے خرچ کا بڑا حصہ ایک ہی عید پر جمع ہو سکتا ہے۔ اور پھر وصولی میں پوری کوشش کیجاوے۔ جو احباب دس یا پندرہ روپے ماہوار سے کم آمدنی رکھتے ہوں اگر وہ بخوشی خاطر ایک روپیہ نہ دے سکیں تو ان سے ۸ ہی لے لیے جاویں اور اس کمی کو ذی وسعت احباب دو دو پانچ پانچ دس دس روپے دیکر پورا کردیں۔ جو شخص دو سو روپیہ ماہوار یا اس سے زیادہ آمدنی رکھتا ہے اسکو ایسے موقعہ پر پانچ روپیہ کا دینا کچھ بھی مشکل نہیں اور اسیقدر اس سے لینا چاہیئے۔ اور جنکی آمدنی پانچسو روپے ماہوار ہو انسے کم از کم دس روپے عید فنڈ کے لیے لیے جاویں۔ ہر ایک شخص اپنے بال بچہ کے لیے عید کے دن ایک اچھی رقم خرچ کرتا ہے۔ یہ جو کچھ آپ لوگ خرچ کریں گے یہ آپ سب کے بچوں کی بہتری کے لیے ہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ اب کی دفعہ ایسی کوشش کیجاویگی کہ ہر جگہ کی جماعت سے عید فنڈ کا جو روپیہ آوے وہ اس مقام کی جماعت کی صحیح تعداد کو ظاہر کرتا ہو۔

ریویو:۔ الاستخلاف۔ چھوٹی تقطیع کے ۱۲۸ صفحو نپر مصنف اکمل آف گولیکی کی اکتسویں تصنیف ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت بلافصل کا قرآن کریم سے ثبوت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عملی تھیوصوفی

اس مختصر مضمون میں تھیوصوفی کے نظری حصہ پر بحث کرنا میرا منشا نہیں۔ کیونکہ اکثر ناظرین کو ایسی بحث دلچسپی سے خالی اور خشک نظر آئے گی۔ اسجگہ صرف ہمیں اسبات کی تحقیق منظور ہے کہ وہ مذہبی فلسفہ جسے عملی تھیوصوفی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اوسکو دوسرے مذہبوں سے کیا رشتہ اور تعلق ہے؟ اس بات کی ضرورت ایک صاحب کی درخواست کی تعمیل کے لیے پیش آئی ہے جنہوں نے اندنوں ایک ورق چھپا ہوا ارسال کیا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عملی تھیوصوفی کا انسان کی زندگی پر اثر کیا ہے۔ یہ صرف چار فقروں میں درج ہے جنکا ترجمہ نیچے کیا جاتا ہے۔

۱۔ عملی تھیوصوفی انسان کو دوسروں کے خیالات کے متعلق بردبار اور متحمل بنا دیتی ہے۔ اس لیے اس کے سیکھنے والے کے دل میں کسی دوسرے مذہب کی نسبت نفرت اور حقارت نہیں رہتی۔ اور وہ دوسروں سے اپنے آپکو بالاتر نہیں سمجھتا۔ جن لوگوں نے اس کے نور کو ڈھونڈا اور اوس کی اطاعت اختیار کی اونکو طمانیت قلب میسر آگئی۔ اور جو لوگ اس کے احاطہ میں آیندہ داخل ہونا پسند کرینگے اون کو بھی ضرور یہ نعمت اس کی بدولت نصیب ہوکر ہی رہیگی۔ اس کے مفید افعال کا سب سے بڑا خاصہ یہ ہے کہ اپنے ماننے والوں کے خیال۔ گفتار۔ اور افعال و اعمال کو معجزانہ طور پر پاک کر دیتی ہے۔ ۲۔ تھیوصوفی کی تعلیمات ایسی روشنی بخش ہیں کہ جتنا کوئی زیادہ انہیں مطالعہ کرتا ہے اوسی قدر بڑھکر اوسکو اپنے مذہب کے حقایق و معارف پر بصارت اور عرفان حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اور انسانی زندگی کے اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنیکے لیے کسی شخص کو اپنا مذہب چھوڑنیکی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ سالکان راہ طریقت نے ہر مذہب میں اس اعلیٰ مقصد کے حصول کی راہ کو بیان کر دیا ہوا ہے۔ ۳۔ اگر اہل دنیا عملی طور پر قوانین قدرت کی پیروی کرتے۔ اور اپنے عقاید اور مسائل کے محاسن لوگوں پر سرگرمی سے بیان کرتے وقت دوسروں کے عقاید اور

مسائل کی نسبت بدزبانی کرنے سے باز رہتے تو دنیا پر صلح اور امن اور راحت اور خوشحالی کی سلطنت قایم رہتی۔ اور اگر بہرحال مقابلہ ہی کی ضرورت ہوتی۔ تو نہایت لطف اور حلم اور عزت کے ساتھ مقابلہ کرتے۔ اور صرف اس نیت پر کرتے۔ کہ لوگوں میں سے جہالت کی تاریکی دور ہو۔ اور وہ ہدایت کا نور پا دیں۔ یہ عملی تھیوصوفی کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ نفرت اور حقارت اور بدظنی اور تکبّر کو نکالکر باہمی محبت شفقت نیک ظنی اور انکسار لوگوں میں بڑھے۔ اور سچے تھیوصوفسٹ بنی نوع انسان کی ہمدردی دل وجان سے حتی المقدور کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور اپنے عیش و آرام کو ایسی طرح قربان کردیتے ہیں۔ کہ کسی وقت بھی اُنہیں اوسکا معاوضہ لینے کا خیال تک بھی نہیں آتا۔ کسی جبر اور مصیبت کی حالت میں وہ صداقت کے راستے سے منحرف نہیں ہوتے۔ وہ حالات کے غلام نہیں ہوتے۔ بلکہ اُنہیں اپنے مقاصد کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ اور ہمیشہ صدق ورزی اور حق جوئی اور عدل و انصاف اور دوسرے ابدی قوانین کی نہایت وفاداری سے اتباع کرنے پر مائل اور آمادہ رہتے ہیں۔ جو عام طور پر نوع انسان کی حقیقی ترقیات کے مؤید ہوتے ہیں اگرچہ ان کی خدمات کا بڑا حصہ انکے گرد وپیش ہی کے حالات میں صرف ہوتا ہے تاہم اونکا دست اعانت ہمیشہ بیدریغ ہر ایک محتاج کی دستگیری کے لیے کُھلا رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایک ایسی مخیّر طاقت ہے جس میں اپنی خواہش اور جوشِ نفس موجود نہیں۔ جس کے خیالات اور اعمال دنیا اور اوس کے مالک پر اپنی رضامندی سے قربان ہیں۔ اور جس کی زندگی کا سب سے بڑا مدعا اوس عظیم اور احسن قانون یعنی برہما خدا یا اللہ کی معرفت حاصل کرنا۔ اور خود کامل طور پر اوس قانون کے ساتھ پیوند قایم کرنا ہے۔"

ان چاروں فقروں کا خلاصہ اگر بیان کیا جائے تو صرف اس قدر ہوگا کہ عملی تھیوصوفی تمام لوگوں کو خوشحال بناتی ہے۔ اور باہمی تنفر و حقارت کی بجائے محبت اور شفقت قایم کرتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ یہ اعلیٰ ترین مقصد ہر ایک شخص کو اپنے اپنے مذہب کا متبع رہنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر ہم پہلے دو مقاصد کے متعلق کوئی بحث نہیں چھیڑنا چاہتے۔ کیونکہ ہر ایک مذہب کا سب سے بڑا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ اوس میں داخل ہوکر انسان حقیقی خوشحالی حاصل کرسکتے ہیں۔ اور اون میں باہمی اخوت کا پیوند محکم ہو جاتا ہے۔ اور میرا مطلب اسجگہ یہ بحث کرنیکا نہیں کہ آیا تھیوصوفی ان دعووں میں سچی ہے یا نہیں یا وہ کونسا مذہب ہے جو عملی طور پر ان دعووں کو پورا کرکے دکھاتا ہے۔ مگر تیسرا امر جو پیش کیا جاتا ہے وہ ایسا نرالا ہے کہ دعوے کے صدق و کذب کو الگ چھوڑ کر ایسا دعویٰ عقلی طور پر محال ہے۔ اور سردست اسی امر کو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ بات یہ پیش کیجاتی ہے کہ تھیوصوفی کی تعلیمات روشنی بخش ہیں اور اس لیے اون کے مطالعہ سے انسان اپنے مذہب کے حقایق و معارف کی بہت بڑی معرفت اور قدر حاصل کرلیتا ہے۔ اور کسی شخص کو اپنا مذہب انسانی زندگی

کے اعلیٰ ترین مقصد کو پانیکے لیے ترک کرنیکی ضرورت نہیں۔ ان نتایج کی ظاہری صورت تو ایسی چکنی چپڑی اور دلکش ہے کہ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہونگے جو ان کے مطلب کی تہ تک پہنچنے کے لیے ذرا تامل کرکے تدبّر اور تفکر سے کام لیتے ہوں۔ کثرت سے ایسے لوگ ہی پائے جاتے ہیں جنہیں ان کے بیہودہ اور باطل ہونیکی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ اتنے بڑے مختلف اور مخالف مذہبوں میں جس مصالحت کی حالت کو تھیوصوفی یا اس کے پرستار قایم کرنیکا دعویٰ کرتے ہیں وہ حقیقت میں صرف ایک دھوکہ ہے۔ لیکن چونکہ اس زمانہ کا یہ طریق ہو رہا ہے کہ عام طور پر مذہبی امور میں سہل انگاری سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے زمانہ حال کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات گھر کر جانیوالی ہے کہ اپنے دین و مذہب پر جمے بھی رہیں اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ دراصل یہ بات کہ اعلیٰ ترین مقصد اپنے آبائی مذہب میں رہنے سے حاصل ہوسکتا ہے صدق اور مذہب حقہ سے لاپرواہی اور بے سمجھی سے پیدا ہوئی ہے۔ بہت سے لوگ جو تفکر اور تدبّر سے کام نہیں لیتے اس دھوکہ میں آجائیں گے کہ تمام مذاہب کی مصالحت ہو جانا انسانی ترقی کے لیے ایک نہایت ضروری اور مفید مرحلہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے سبب سے تمام ترقیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں اگر کسی انسان کے دینی خیالات کا دریافت کرنا اور اوسکی غلطیاں ظاہر کرنا مضر خیال کیا جائے تو پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ اوس کے سیاسی۔ اخلاقی اور تمدّنی خیالات کی نسبت سوال کرنا بھی ویسا ہی مضر سمجھا جائے۔ مذہبی اختلافات اور مباحثات کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ صدق غالب آجاتا ہے۔ لیکن جو صلح تھیوصوفسٹوں کے گمان میں بیٹھی ہوئی ہے اوس کا انجام لازماً یہی ہوگا کہ غلط کاری اور فاسد عقاید دنیا پر پھیل جائیں۔

اب ہم ذرا زیادہ توجہ کے ساتھ عملی تھیوصوفسٹوں کے اس ایراد پر غور کرتے ہیں۔ اونکی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ تھیوصوفی کی تعلیم کی دستگیری سے ہر ایک آدمی اپنے آبائی مذہب کے محاسن اور حقایق کی زیادہ معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ کونسی تعلیمات ہیں جن سے یہ فواید حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس کے لیے ہم تھیوصوفی کی تعلیم کو دوسری جگہ سے لیتے ہیں مقاصد تھیوصوفیکل سوسایٹی میں تھیوصوفی کی تعلیم کے بڑے بڑے اصول یہ درج ہیں۔

(الف) کرم۔ یہ وہ قانون ہے جس کی بدولت اوس خوشی کے ذریعہ سے جو برادرانہ خیالات اور اعمال سے حاصل ہوتی ہے اور اوس دکھ اور درد سے جو معاندانہ خیالات اور افعال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ رشتہ اخوت میں مضبوطی اور ترقی ہوتی ہے۔ یہ وہ قانون ہے کہ جس کو عمل میں لانیکے لیے کسی شخص یا کسی چیز کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ خیالات اور افعال کے نیک و بد کی جبلی تاثیرات کا قانون ہے۔

(ب) تمام بنی نوع انسان کا دنیا میں بار بار جنم لیتے رہنا یہانتک کہ اونہیں زندگی کا ایسا سرسبز خزینہ ہاتھ آجائے اور ایسا وسیع علم ملجائے کہ جس کے بعد موت کا آنا ناممکن ہوجائے۔ (ج) ہر متنفس میں حیوانی اور الٰہی طاقتوں اور آیندہ ہستی کے انتخاب کی قوت۔ اور انتخاب کے نتایج کا موجود ہونا۔ ہر انسان اپنا نجات دہندہ آپ ہوسکتا ہے۔ اپنی قسمت میں سُکھ یا دُکھ لاسکتا ہے۔ جب چاہے اپنے اندر الٰہی نور پیدا کرسکتا ہو۔ اور کیسی ہی ناکامیوں اور نامرادیوں کا اوسی مقابلہ کرنا کیوں نہ پڑے وہ تھوڑا تھوڑا شروع کرکے بڑھکر اس کے قریب آسکتا ہے۔ اور اوس دن کے نزدیک پُہنچ سکتا ہے کہ جب وہ آپ ہی الٰہی نور بن جانیکی خوشی حاصل کرسکے۔ اور اسطرح اپنی ابدی زندگی کا علم پاسکے۔ (د) کہ اس عالم میں انسان کے وجود سے خارج کوئی ایسی طاقت موجود نہیں جو کسی انسان کو کسی قسم کا دُکھ یا تکلیف سزا کے رنگ میں پُہنچا سکے یا جس سے انسان کو ڈرنے کی ضرورت ہو"۔ تھیوصوفی کے ان اصول کا ذکر جو ذیل کے الفاظ میں کیا گیا ہے اوس سے خداتعالیٰ کی ہستی سے قطعی انکار اور بھی زور کے ساتھ واضح ہوتا ہے۔

"قادر مطلق خدا سے انکار کرکے اصول تھیوصوفی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک جلیل القدر اور غیر متبدل قانون کا دور دوران ہے جسکو انسان اپنے اندر کامل انصاف کے ساتھ عمل میں لارہا ہے خواہ وہ اسے سمجھتا بھی نہ ہو"

تھیوصوفی کی اس تعلیم اور ان اصول کے ہوتے ہوئے سوائے دہریوں کے کون تھیوصوفسٹ کہلا سکتا ہے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ اصل میں تھیوصوفی دہریت کی ایک قسم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض پیروان تھیوصوفی خدا کی ہستی کا اقرار بھی کرلیا کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کہدیا کرتے ہیں کہ تھیوصوفی کی پیروی سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے گہرا تعلق انسان پیدا کرسکتا ہے مگر یہ سب جھوٹے دعوے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ پنڈت شونرائن اگنی ہوتری اسی قسم کے تھیوصوفسٹوں میں سے تھا یہاں تک کہ تھیوصوفی کے انکار خدا پر اس نے بڑے بڑے مضامین بھی لکھے اور یہ کہا کہ اصل تھیوصوفی ہستی باری تعالیٰ کے اقرار پر مبنی ہے مگر اب چند ہی سال کے عرصہ میں وہ خود پورا دہریہ بن گیا ہے اور نہایت کھلے لفظوں میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا بلکہ بعض دریدہ دہن دہریوں کی طرح خدائے تعالیٰ کو گالیاں بھی نکالی ہیں۔ اور پھر تعجب یہ ہے کہ ایسے لغو عقاید کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے ہی مذہب میں رہ کر تھیوصوفی کا پیرو بھی ہوجاتا ہے جو سراسر جھوٹا دعویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی اور نیک و بد اعمال کی سزا و جزا پر ایمان کی تلقین ہر ایک مذہب حقہ کا بنیادی اصل ہے جو الہام سے قایم ہوا ہے۔ لیکن تھیوصوفی کی تعلیم یہ ہے کہ انسان بذات خود ہی کامل اور کافی ہے۔ اور کوئی ایسی اعلیٰ قدرت موجود نہیں جس سے اسکو کچھ خوف

کرنیکی ضرورت ہو۔ تھیوصوفی کے حامی اصحاب ازراہ مہربانی اسبات کو ذرا واضح اور عیاں کردیتے کہ کیونکر ایک انسان ایک ہی وقت میں تھیوصوفسٹ بھی رہ سکتا ہے اور اپنے مذہب پر بھی چل سکتا ہے؟ یعنی خدا کے وجود کا اقرار بھی کرے اور انکار بھی (تو بہتر ہوتا)۔ پھر یہ ایک صاف بات ہے کہ جو مذہب تھیوصوفی کی تردید کرتا ہو اوسپر ایک تھیوصوفسٹ تو ہرگز قایم نہیں رہ سکتا۔ اور یہ بھی ایک کھلی بات ہے کہ جب ایک مذہب دوسرے مذہب کے مسائل کو غلط قرار دیکر اونکی تردید کرتا ہو تو یہ لازمی امر ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تو جھوٹا ضرور ہوگا۔ غرض اسطرح دونوں ایسے مذاہب جو ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف تعلیم دیتے ہوں راست نہیں ہوسکتے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مدعا جسکو تھیوصوفی کی اصطلاح میں "اعلیٰ ترین مقصود" کہتے ہیں کسی ایک مذہب پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے تو اوسکا اوس دوسرے مذہب پر چلکر حاصل ہونا ممکن نہیں ہوسکتا جو پہلے مذہب کے بنیادی مسائل کی تردید اور تغلیط کرتا ہو۔ ہمارے تھیوصوفسٹ دوست فرماتے ہیں کہ تمام سالکان طریق نے اس اعلیٰ ترین مقصود تک پہنچنے کی راہ کو ہر ایک مذہب میں عیاں کردیا ہوا ہے۔ لیکن مذہب کے طریق پر سب سے پہلا سالک تو اوسکا بانی ہوتا ہے۔ وہ اول السالکین جب اپنا مذہب قایم اور مروج کرتا ہے تو تمام موجودہ مذہبوں کو غلط اور پُرخطا بیان کرتا ہے۔ جب یسوع مسیح یہودیوں کے درمیان ظاہر ہوا تو جن راہوں پر اوسوقت یہودی چل رہے تھے اونکو خطاؤں اور غلطیوں سے پُر بیان کرکے اونکی تردید کرتا رہا۔ اور کہتا رہا کہ اوس اعلیٰ ترین مقصود کو پانیکی طرف یہ راہ ہدایت نہیں کرسکتی بلکہ دن بدن اوس سے دور لیجارہی ہے۔ تھیوصوفسٹوں کے اعتقاد کے مطابق تو دونوں یعنی یسوع مسیح اور یہودی راستی پر تھے۔ لیکن یہ امر محال صریح ہے۔ پھر جب آنحضرت سرورکائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک عرب میں مبعوث ہوئے تو اونہوں نے بت پرستوں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی غلط اعتقادوں کی مذمت کی۔ یہ ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ حق کو پانیکے لیے بدی اور غلطی کی مذمت اور ان سے نفرت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ہم نیک اور بد یا صدق اور کذب سے یکجائی طور پر محبت رکھ سکیں۔ انمیں سے ایک کے ساتھ محبت رکھنے سے دوسرے سے نفرت لازم آتی ہے۔ اور اگر راستی سے محبت کے دعوے کے باوجود انسان ناراستی سے نفرت نہیں کرتا یا نیکی سے محبت کرنیکا دعویٰ کرتا ہے مگر بدی سے نفرت نہیں کرتا تو یہ جان لینا چاہیئے کہ جسے وہ راستی اور نیکی سمجھ رہا ہے وہ راستی اور نیکی نہیں کیونکہ نور سے محبت رکھکر ایک شخص ظلمت کو پسند نہیں کرسکتا اور اصلی مقصود کو حاصل کرنیکے لیے بدی سے نفرت کرنا سچائی سے محبت کرنیکے برابر ضروری ہوتا ہے۔

مذہب کے بارے میں دو مختلف خیال موجود ہیں جن میں سے ایک افراط کی طرف چلا گیا ہے اور دوسرا تفریط کی طرف۔ اور یہ دونوں ہی غلط ہیں۔ انمیں ایک خیال تو تھیوصوفسٹوں اور ویدانتیوں کا ہے جن کی ساری کوشش اس امر میں خرچ ہو رہی ہے کہ وہ ہردلعزیزی سے ہر انسان کو یہ اعلان کرکے خوش کرلیں کہ نجات ہو

اعلیٰ ترین مقصود ہے وہ ہر ایک آدمی اپنے آبائی مذہب میں ہی رہکر حاصل کر سکتا ہے۔ یہ امر بظاہر تو ایسا شیریں اور دلکش معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان سنتے ہی اسکا گرویدہ ہو جائے لیکن حقیقت میں سچائی اور حق کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے۔ یہ ایسا ناپاک اور مکروہ خیال ہے کہ اسکے رو سے تمام انبیاء و مرسلینؑ جنکا منصب ہی تھا کہ لوگوں کو دین حقہ کی طرف دعوت اور تبلیغ کریں۔ پرلے درجے کے گنہگار اور پاپی ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اپنے اپنے زمانہ کے موجودہ مذہبوں کی (انکی غلطیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے) مذمت کرتے اور راہ حق ظاہر کرتے تھے۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ تھیوصوفی نے خدا کی ہستی کا انکار نہیں سکھایا۔ تو بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ کوئی شخص اپنے آبائی مذہب پر پورا کاربند بھی رہے اور تھیوصوفسٹ بھی بنا رہے۔ کیونکہ تھیوصوفی کا اصل منشار تو یہ ہے کہ ہر بانی مذہب کو سخت غلطیوں کا مرتکب قرار دے۔ جب ہم اس امر کو بغور دیکھتے ہیں کہ ذلیل ترین تو ہم پرستی اور اعلیٰ ترین معقول مذہب کو لوگوں کے دل و دماغ میں یکجائی طور پر ہمرتبہ رکھنا تھیوصوفی کی تعلیم کا بڑا بھاری اصل ہے تو اس اصل کی بیہودگی صاف عیاں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تھیوصوفی مثلاً ایک بت پرست کو تعلیم دیتی ہے۔ کہ تمہیں بت پرستی پر ہی کفایت اور قناعت کرنی چاہیئے۔ اور کسی اعلیٰ طریق وملت کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ اگر دنیا کے دانا لوگ اس جہالت کی تعلیم کے اثر میں دبے رہتے تو تمام مخلوق گندہ ترین اوہام پرستی کے گڑھوں میں آجتک غرق پڑی رہتی۔ یہ تو ویدانتی افراط کا پہلو ہوا۔ اب تفریط کا پہلو جو عیسائی صاحبان کے موجودہ مذہب کی تعلیم کا لب لباب ہے قابل غور ہے۔ یہ بھی ایک نرالا ہی مذہب ہے جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ یسوع سے پہلے جو ہزاروں سال سے دنیا آباد تھی اوس میں کسی کو بھی نجات کے طریق سے خدا نے آگاہ نہ کیا۔ پھر جب یسوع پیدا ہوا تو وہ طریق صرف اوسپر ہی منکشف کیا گیا۔ اور اب بھی وہ یسوع کے پوجاریوں کا ہی حق محفوظ ہے۔ اونکے سوائے کوئی شخص نجات نہیں پاسکتا۔ یہ ایسا تنگ ظرفی کا خیال ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اسکو ایک لمحہ کیلیے بھی قبول نہیں کرسکتا۔ اسکا حاصل یہی ہے کہ وہ لاکھوں پاکباز خدا کے قدوس نبی جو یسوع سے پہلے گذرے۔ یہ اونمیں سے کسی کو بھی نجات کی راہ پر قدم دھرنا نصیب نہ ہوا۔ اور سب کے سب اس مقصود عالی سے محروم ہی گذر گئے۔ پس حق ان عیسائی اور ویدانتی افراط و تفریط کے وسط میں ہے۔ اور اس انعام سے خدا تعالیٰ نے صرف دین اسلام ہی مشرف فرمایا ہے۔ اسلامی نجات کسی افراط اور تفریط کے خیال پر مبنی نہیں۔ اسلام کھلے طور پر بیان کر رہا ہے کہ وہ راہ جو اس اعلیٰ ترین مقصود تک پہنچاتی ہے ہر زمانہ میں خدا کے پاک اور مقدس بندوں پر منکشف ہوتی رہی۔ لیکن اون کے بعد اونکی امتیں اون صداقتوں میں بہت کچھ کوڑا کرکٹ ملا دیتی رہیں اس لیے وہ صداقتیں جو اونمیں ہوتی تھیں بہت تاریک غبار کے نیچے دب جاتی رہیں۔ اور جب جب دنیا سے راستی اور ایمان کا وجود اٹھ جاتا تب تب ہی اللہ تعالیٰ نئے سرے سے اپنے انبیاء کو بھیجکر پھر صداقتوں اور ایمان کو دنیا پر قایم کرتا

اسی طرح جب دنیا کے سارے مذاہب بگڑ چکے تو خدا تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے دنیا پر دین اسلام کو نازل فرمایا۔ اسلام کا یہ فرض ٹھہرایا گیا کہ ان تمام ادیان میں سے حق و باطل کو الگ الگ کر دکھائے۔ اور گمراہی اور غلط کاری کی مذمت اور حق کی تبلیغ کرے۔ یہی ایک معتدل اور معقول بات ہے جو خدا کے انصاف کے ساتھ موافقت رکھتی ہے۔ اسلام اس بات کا معترف ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ملک اور ہر قوم میں ہادی اور نبی لوگوں کو نجات کی راہ بتلانے کے لیے مبعوث فرماتا رہا۔ تمام انبیاء خدا کی توحید کی تعلیم دیتے اور نیک عملوں کی ضرورت سے لوگوں کو متنبہ کرتے تھے۔ لیکن امتداد زمانہ کے سبب سے انکی تعلیموں میں لوگوں نے بہت کچھ نقص ڈالدیے حق و باطل کو ملا دیا۔ اسلامی تعلیم کے رو سے دنیا کے تمام بڑے مذہبوں کے بانی خدا کے سچے انبیاء ہی تھے۔ وہ خود صراط نجات کے رہنما اور رہرو تھے اور لوگوں کو وہ راہ دکھاتے تھے۔ الہامی مذہبوں میں جو اختلاف نظر آرہا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ پیچھے سے لوگوں نے بعض تعلیمات کو ترک کر دیا اور بعض میں بہت کچھ اپنی طرف سے ملا لیا۔ اس طرح مذہب حقہ کی صورتوں کو بدلکر اپنے اپنے اوہام سے نئے پیرایے پہنا دیے۔ پھر جب کہ عام طور پر مذہبوں میں غلطیوں اور نقصوں کا پائیوں کے بعد واقعہ ہو جانا مسلم الثبوت ہے تو تھیوصوفسٹوں کے اس خیال باطل کی اسلام کیسے تائید کر سکتا ہے کہ ہر مذہب اپنی بگڑی ہوئی حالت اور سچے مذہب سے اتنے بڑے اختلافات پیدا کر لینے کی صورت میں اس قابل ہو سکتا ہے کہ اوسپر چلنے سے انسان اوس مقصود عالی کو پا سکے۔ پس اسلام نے یہ وسط کی راہ اختیار کی جس میں نہ تو تھیوصوفسٹوں کی طرح یہ افراط کا پہلو لیا کہ ہر ایک قسم کی توہم پرستی اور بت پرستی پر چلکر انسان نجات پا سکتا ہے۔ اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح اس غلطی میں پڑا کہ خدا کے کل راستباز اور مقدس اور نبی اور بزرگ ہمیشہ سے نجات کی راہوں سے محروم چلے آئے ہیں اور دنیا کی نجات صرف ایک شخص کی جان پر بعض حادثات مصیبت کے وقوع پر منحصر ہے جو اونیس ۱۹ سو سال ہوئے گذر چکا ہے۔ قرآن مجید واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں میں نذیر مبعوث کیے۔ پس ہر ایک مسلمان جو قرآن شریف پر ایمان رکھنا اپنا فرض جانتا ہے وہ یہ بات بھی مانتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہندیوں۔ فارسیوں اور دوسری قوموں میں بھی خدا کی طرف سے نبی آئے۔ اور اون کے مذاہب بھی الہام ہی کے ذریعہ سے اونہیں پہنچے۔ اب ان سارے بگڑے ہوئے مذہبوں میں سے عیسائی مذہب ہی ایسا ہے جو سب سے پیچھے آیا۔ پس جب ہم اس مذہب پر غور کر کے دیکھتے ہیں کہ اس تھوڑے سے عرصہ ہی میں مسیح کی اصلی تعلیم کو عیسائیوں نے کیسا بگاڑ دیا ہے اور اصل اصول مذہب کو چھوڑ کر طرح طرح کی غلطیوں میں کس طرح مبتلا ہو گئے ہیں تو اس بات کے سمجھنے میں کچھ دقت باقی نہیں رہتی کہ پہلے نبیوں کی تعلیم کو بھی اونکی امتیں اسی طرح بگاڑتی رہیں اور سچا مذہب جس کی تمام انبیاء تمام قوموں میں تعلیم دیتے چلے آئے ہیں وہی تھا جس کی تعلیم آخر کار قرآن کریم نے دی۔ پس سچی بات یہی ہے،

کہ اصل میں تمام مذاہب خدا کی طرف سے ہی تھے اور ابتدائی حالت میں سچی تعلیم دیتے تھے۔ پھر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا طرح طرح کی غلطیوں اور بدعتوں کا اونمیں دخل ہوتا گیا۔ اپنے ابتدائی زمانوں میں ہر ایک مذہب اپنے متبعین کو اوس اعلیٰ ترین مقصود تک پہنچانیکے لیے کافی تھا۔ لیکن اون کی موجودہ حالتیں ایسی فاسد اور بگڑی ہوئی ہیں کہ غلطیوں اور بدعتوں نے حقایق پر محکم تسلّط کر لیا ہوا ہے۔ اس لیے اونمیں اب وہ طاقت نہیں رہی کہ منزل نجات تک کسی کو پہنچا سکیں۔ دنیا کے تمام موجودہ ادیان میں سے آج صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے۔ جس کے اصول میں غلطیوں اور بدعتوں کو دخل نہیں ہو سکا اور نہ ہو سکے گا۔ اور جس میں سراسر حق اور صدق ہی بھرا ہوا ہے یہ دین ہی منزل نجات تک بالیقین کے ساتھ پہنچا سکتا ہے۔ اگرچہ بعض امور میں مسلمانوں نے بھی پہلی قوموں کی طرح غلط راہیں اختیار کر لی ہیں لیکن یہ صرف اسلام کی ہی خوش نصیبی ہے کہ اس کی اصلی تعلیم جو قرآن مجید میں درج ہے آجتک ایسی محفوظ چلی آئی ہے کہ معاند منقدوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس حفاظت کی نظیر دنیا کی اور کسی مذہبی کتاب میں نہیں ملتی۔ وہ تعلیم جیسی حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اوسی طرح حرفاً حرفاً محفوظ اور موجود ہے۔ اور یہی ایک تعلیم ہے جسکو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ اور اعلان کیا ہوا ہے۔ چنانچہ اسی لیے اس آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے قدیم وعدوں کے موافق اپنا مرسل مسیح موعودؑ مبعوث فرمایا ہے کہ تا وہ لوگوں میں اسلام کو پھیلا دے اور تمام غلطیوں اور بدعتوں سے پاک کرے۔

بعض معترض یہ اعتراض بھی کریں گے کہ اگر یہی بات ہے تو پھر کیا صرف اسلام ہی میں نجات مل سکتی ہے؟ اور کیا ایک ایسی چیز جس کی ہر انسان کو اتنی بڑی ضرورت ہے ہر جگہ سے دستیاب نہیں ہو سکتی؟ دراصل اس قسم کے سوالات اوسوقت ہی دل میں پیدا ہو سکتے ہیں جب انسان نجات کی اصل حقیقت سے ناواقف ہو۔ کاش ہمارے تھیوصوفسٹ دوست اس بات کو سمجھتے کہ نجات کی اصل حقیقت کیا ہے۔ تو پھر ممکن نہ تھا کہ اون کے دل میں ایسے خدشات واقع ہوتے اور اون کی زبان سے ایسے کلمات نکلنے پاتے کہ انسان انسان پرستی اور بت پرستی کے ذریعہ سے بھی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اونکو یہ بھی ایک غلطی لگی ہوئی ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں عبادت کر لینے کو اور نجات کو ہم معنے سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں ہم معنے نہیں۔ نجات حاصل کرنے کے لیے تو خدا تعالیٰ کی سچی معرفت درکار ہے۔ اسی معرفت کی تکمیل سے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اوس کے برگزیدوں میں داخل ہو سکتا ہے۔ تھیوصوفی اور ویدانت کے ماننے والوں نے سمجھ رکھا ہے کہ تمام اقوام مختلف اسمار سے

اس ایک خدا ہی کی پرستش کر رہی ہیں۔ لیکن وہ ایسا سمجھنے میں ہی غلطی پر ہیں۔ اگر ذات باری کو ہر قسم کی صفات سے معرا سمجھ لیا جاوے تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ تمام قومیں ایک ہی خدا کی پرستش کر رہی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام قومیں جو جدا جدا طرز پر اپنے اپنے رنگ میں خدا کے نام رکھکر اس کی پرستش کرتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا اپنا مفہوم اس کی نسبت جدا ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ مختلف مفہوم جو حقیقت الامر سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ منزل مقصود تک پہنچانیکے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔ صرف ایک ہی چیز ہے جو نجات کی رہنمائی کر کے اس اعلیٰ ترین مقصد کو حاصل کرنیکا صحیح اور یقینی ذریعہ ہو سکتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی سچی معرفت اور اس کے صفات کا صحیح علم ہے۔ اور آج یہ سوائے اسلام کے کسی دین میں پایا نہیں جاتا۔ بنی اسرائیل خدا کی توحید پر ایمان رکھنے والی قوم تھی لیکن مسیح کے مبعوث ہونے سے پہلے ان میں سے معرفت الٰہی گم ہو چکی تھی اور یہی وجہ تھی کہ یسوع مسیح نے آکر انکی مذمت شروع کی اور انکو گمراہ کہا۔ اسوقت بھی وہ خدائے واحد کی عبادت تو کرتے تھے لیکن اس کی معرفت سے خالی ہو گئے تھے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنیکے لیے خدا تعالیٰ نے اپنا مقدس نبی مسیح ناصری بھیجا کہ تا انہیں سچی معرفت الٰہی اور نجات کی طرف رہبر لاوے۔ ایسا ہی جب حضرت سرور انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ سلم دنیا میں تشریف لائے تو اسوقت عیسائی لوگ طرح طرح کی ظلمتوں اور غلطیوں میں مبتلا ہو رہے تھے اور اس معرفت حقہ کو بالکل کھو بیٹھے تھے جس کی یسوع مسیح نے تعلیم دی تھی۔ قرآن شریف اسبات کی شہادت دیتا ہے کہ اسوقت روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نہ تھی جنہیں خدا کا سچا علم اور اسکی معرفت محفوظ رہی ہو۔ جب تمام دنیا ہی بگڑ کر راہ نجات سے دور جا پڑی تو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ملک عرب میں اپنے حبیب پاک پیغمبر برحق سرور کائنات محمد صلعم کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں میں حقیقی معرفت الٰہی کو پھیلاویں اور طریق نجات کی طرف رہنمائی کریں۔ ~~~

محمد است چراغ و امام ہر دو جہاں + محمد است فروزندۂ زمین و زماں
خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا + خدانماست وجودش برائے عالمیاں + احمد آخر زماں کو اولین را جائے فخر + آخرین را مقتدا و ملجا و کہف و حصار
اندر آں وقتیکہ دنیا پر ز شرک و کفر بود + ہیچکس را خوں نشد دل جز دل آں شہریار + کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربان جہاں + نے بجسم خویش میلش نے بنفس خویش کار
در جہاں از معصیتہا بود طوفان عظیم + بود خلق از شرک و عصیاں کور و کر در ہر دیار + ہر شیاطین را تسلط بود بر ہر روح و نفس + پس تجلی کرد بر روح محمد کردگار
منت او بر ہمہ سرخ و سیاہی ثابت است + آنکہ بہر نوع انساں کرد جاں خود نثار + یا نبی اللہ توئی خورشید رہ ہائے ہدیٰ + بے تو نارد رو براہ عارف بپرہیزگار
یا نبی اللہ لب تو چشمۂ جاں پرورست + یا نبی اللہ توئی در راہ حق آموزگار + عارفاں را منتہائے معرفت علم خفیت + صوفیاں را منتہائے صدق و عشقت در قرار
بے تو ہرگز دولت عرفاں نمے یابد کسے + گرچہ میرد در ریاضت ہا و جہد بیشمار + (حضرت مسیح موعودؑ)

تمام ادیان موجودہ میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی صفات کا صحیح صحیح علم موجود ہے اور اسکی معرفت کے یقینی ذرایع پائے جاتے ہیں اور اس کے سوا کوئی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جو صفات الٰہی اور اسکی معرفت کے بارے میں غلطیوں اور خرابیوں سے بھرا ہوا نہ ہو۔ عیسائی دین کے پرستار ساری دنیا کو اپنے دین میں لانیکی بڑی فکروں کو نشانہ بنا

اور حیلہ سازیوں میں آج کل کے تمام اہل مذاہب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن انکا اپنا مذہب بھی ایسی ہی خرابیوں اور غلطیوں سے لبریز ہے اور جو الزام بدترین او ہام پرستی کے مذاہب پر عاید ہوتا ہے وہی عیسائی مذہب پر بھی عاید ہوتا ہے۔ اور تو اور اس نے تو بنی اسرائیل کی تعلیم توحید پر بھی پانی پھیر دیا۔ خدا کی توحید کی بجائے ایک تثلیث کی بنا ڈالی۔ اور ایک خدا کی قدرت کو تین شرکا کے حوالہ کر دیا۔ اور ایک انسان یعنی یسوع کو خدا قرار دیدیا۔ خدائے تعالیٰ واحد لاشریک کی معرفت اور اس کے صفات کے علم میں یہ ایسی سخت غلطی اور خرابی ہے کہ کوئی بھی اس غلطی میں پڑ کر نجات کی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

مسیح کی آمد ثانی

(مرقومہ مولوی شیر علی صاحب بی اے)

اخبار "اگز یمنر" بمبئی کے پرچہ اگست ۱۹۰۶ء میں ایڈیٹر صاحب نے ایک مسلمان نامہ نگار کی مراسلت پر حاشیہ افزائی میں قلم فرسائی کرتے ہوئے مسیح کی آمد ثانی کے متعلق بعض عجیب خیالات ظاہر کیے ہیں۔ مینے انکے حواشی کو بنظر غور مطالعہ کیا ہے۔ انہیں پڑھکر مجھے سخت مایوسی ہوئی کیونکہ بجائے اس کے کہ کسی حق جو کو ان سے کچھ ہدایت اور فایدہ متصور ہو الٹے وہ اسکو ایک گورکھ دھندے میں ڈالکر اسکے دماغ کو چکر دینے کا موجب ہیں۔ ان حواشی کو پڑھنے سے انسان جن نتایج پر پہنچ سکتا ہے انکو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اوّل۔ بقول اسکے زلزلوں۔ وباؤں قحطوں اور جنگوں کے متعلق یسوع کی پیشگوئیاں مبہم اور مشتبہ المعانی ہیں۔ پھر یسوع کے دوبارہ نزول کے نشانات کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "بہرحال یہ بھی مبہم آثار ہیں۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ جس میں ایسے حوادث واقع نہوئے ہوں...... کوئی صدی ایسی نہیں کہ جس میں مذہبی لوگوں میں یہ اعتقاد کامل طور پر راسخ نہ ہوا ہو کہ مسیح کے آنیکے سارے نشانات پورے ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں" دوم۔ یہ کہ جس قسم کے معجزات سچے نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص سچی پیشگوئیاں کرے اور پھر بھی وہ جھوٹا نبی ہی ہو۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ "اگر ہم مان بھی لیں کہ میرزا غلام احمد صاحب نے بعض ایسی پیشگوئیاں کی ہیں جو اپنے وقوع میں سچی اور کامیاب نکلیں۔ تو اس سے تو خداوند یسوع مسیح کی بات پوری ہوتی ہے کہ جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بڑے نشان اور اعجوبے دکھائیں گے جن سے خدا کے برگزیدے بھی دھوکہ کھا جائیں گے۔ علاوہ بریں ہوا زمین اور سمندر کے نشان ایسے مبہم ہوتے ہیں کہ انسے کچھ بھی ہدایت نہیں مل سکتی۔ پیشگوئیاں اعتراضوں سے خالی نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان دنوں بہتیرے جھوٹے نبی بھی ہوں گے اور سچے نبی بھی ہوں گے۔ اور نہ یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف اس نبی کو ہی جھوٹا

سمجھا جائے جس نے ایسی پیشگوئیاں کی ہوں جو پوری نہ ہوں۔ سوم۔ یہ کہ یسوع کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کی تعبیر لفظی ہی کرنی چاہیئے اور ایلیا کے دوبارہ آنیکی پیشگوئی پر یسوع کی آمد ثانی کی پیشگوئی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہ صرف آدمی تھا اور یسوع خدا۔ عادل اور شفیع تھا"

یہ وہ تین نتیجے ہیں جو اگزیمنر کے مطالعہ کرنیسے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اب مَیں آگے چلکر یہ بات ثابت کرنیکی کوشش کرونگا کہ کسطرح انسے ایک طالب حق بجائے راہ ہدایت پانیکے اُلٹا گمراہ ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یسوع نے زلزلوں اور وباؤں وغیرہ کے متعلق جو پیشگوئیاں کی تھیں اور جو اناجیل میں درج ہیں وہ کسیقدر مبہم ضرور ہیں۔ کیونکہ ان حوادث کی شدت اور صراحت کے مدارج واضح طور پر بیان نہیں کیے گئے۔ لیکن یہ راوی کا قصور ہے جس نے انکو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کیا ہے اس میں یسوع کا قصور نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ انجیلوں کے لکھنے والونکی نسبت جہانتک معلوم ہوسکا ہے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے یسوع کے الفاظ کو امانت اور احتیاط سے نقل نہیں کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یسوع نے ان واقعات کو معمولی طرز میں بیان نہیں کیا تھا۔ کیونکہ معمولی وضع میں یہ واقعات ایسے معمولی ہیں کہ جو روزمرہ وقوع ہوتے رہتے ہیں۔ اسلیے انکو بمنزلہ نشانات نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ الفاظ بطور پیشگوئی بیان ہوئے تھے تو ساتھ ہی ہمکو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ یسوع کی مراد انسے کوئی غیر معمولی حوادث تھے جنکو دوبارہ نزول مسیح کا نشان ٹھہرایا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انسے مراد معمولی حوادث ہیں اور ان معمولی حوادث کے وقوع سے ہی پیشگوئی کا پورا ہونا متصور ہے تو اس سے یسوع کے ذمہ اس بات کا الزام عاید ہوتا ہے کہ اس نے ایسی باتوں کو پیشگوئیوں کے نام سے بیان کیا کہ جنکو پیشگوئی کہنا ہی سخت ظلم ہے۔ "اگزیمنر" کے ایڈیٹر صاحب ان پیشگوئیوں کو مبہم قرار دیکر اپنے آقا یسوع مسیح پر خود یہ الزام قایم کرتے ہیں اگر عیسائی مشنریوں کو یہ خواہش ہو کہ یسوع مسیح کو اس الزام سے چھڑائیں کہ اس نے مبہم پیشگوئی کی۔ تو انہیں چاہیئے کہ اس بات کو قایم کریں کہ یہ تمام باتیں جو یسوع نے بیان کی تھیں غیر معمولی رنگ کے واقعات کے متعلق تھیں۔ اس پیشگوئی کو اس طرز پر مطالعہ کر کے ہمیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسکو پورا ہونیکے لیے خدا نے اسی زمانہ کو مقدر کیا ہوا تھا۔ یہ پیشگوئی اس زمانہ میں بہت عجیب طریق سے پوری ہوئی۔ چنانچہ اخبار پاینیر کا فاضل ایڈیٹر اُن حوادث کا ذکر کر کے جو سال ۱۹۰۶ء کے ابتدائی مہینوں میں واقع ہوئے تھے لکھتا ہے کہ "ایسے دہشتناک عالمگیر تہلکے کی مثال پہلی صدی مسیحی سے لیکر آجتک کہیں پائی نہیں جاتی" (دیکھو پاینیر ۲۲- اپریل ۱۹۰۵ء)۔ اس کیفیت سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ زلزلوں وغیرہ کے متعلق مسیح کی پیشگوئی پہلی دفعہ اس زمانہ میں واقع ہوئی۔ اور مسیح کی وفات کے بعد سے آجتک جو قریب دو ہزار سال کا زمانہ ہے اس طویل مدت میں کوئی ایسا حادثہ نہیں گذرا جو اسکا ثانی ہوسکے۔ ان زلزلوں اور مصایب کا ایک غیر معمولی اور نہایت خطرناک صورت میں آنا ہی ایسے امور ہیں جو ہمیں اس بات کے ماننے پر مجبور کرتے ہیں کہ ان حوادث سے یسوع مسیح کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور اگر یہ فوق الطاقت اور غیر معمولی امداد حوادث درمیان سے اُڑا دیا جائے تو پھر یہ صرف معمولی روزمرہ

کی پیش آمد باتیں رہ جائیں گی جن کو پیش گوئی سمجھنا نادانی ہے۔ اور اس طرح نہ صرف یسوع کی اُس عزت میں فرق آئیگا بلکہ سارے مسیحی دین کے حامیوں اور راویوں اور مفسروں اور کتابوں کی بھی وقعت اُٹھ جائیگی گو اور بھی بہت ساری باتیں اس بات کے ثبوت کی مؤید ہیں۔ لیکن واقعات عالم پر نگاہ کر کے اور تمام معتبر شہادات اور نشانات پر غور کر کے یہی بات قرار دینی پڑتی ہے کہ یسوع کی پیشگوئی کے ظہور کا یہی وقت ہے۔ ہاں البتہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ جس کے ظہور کا زمانہ پہنچا ہوا ہے کہاں ہے تو اس بات کا پتہ ہم دیتے ہیں کہ وہ قادیان میں نازل ہو چکے ہیں اور انکا مبارک نام میرزا غلام احمدؐ ہے۔ جو تمام نشانات کے ساتھ اس منصب پر مبعوث ہوئے ہیں۔

(الف) یسوع مسیح کی باتیں اس زمانہ کے حالات پر ٹھیک طور سے صادق آتی ہیں۔ مثلاً جیسے یسوع نے کہا ہے کہ "قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آویگی اور جگہ بجگہ بڑے بڑے بھونچال آویں گے۔ اور مری اور کال پڑیگا" لوقا ۲۱/۱۰۔ ایسا ہی متی ۲۴/۷ میں بھی یہی مضمون درج ہے تو پھر کیا ان الفاظ میں ان ایام کا خاکہ نہیں کھنچا ہوا جبکہ ساری دنیا کے مختلف مقامات میں قحطوں۔ وباؤں اور زلزلوں کی مصیبتیں احاطہ کر رہی ہیں؟ کیا کوئی شخص تواریخ میں کوئی ایسا زمانہ پیش کر سکتا ہے کہ جس میں اس قسم کے غیر معمولی حوادث مجموعی طور پر نوع انسان نے دیکھے ہوں۔ اور جس میں یسوع کی پیشگوئی ایسی صفائی اور وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی ہو۔ پھر لطف یہ ہے کہ جس طرح یسوع کے الفاظ میں یہ واقعات متصل بیان ہوئے ہیں اُسی طرح انکا وقوع بھی یکبارگی متواتر اور تھوڑے عرصہ میں ہوا۔ یسوع نے متی ۲۴/۲۲ میں یہ بھی کہا ہے کہ "اور اگر وے دن گھٹائے نہ جاتے تو ایک تن بھی نجات نہ پاتا" کیا یہ بات طاعون پر صادق نہیں آتی جو ہندوستان میں تباہی پھیلا رہی ہے؟ جس شدت اور غضب کے ساتھ ہر سال طاعون پھوٹ نکلتی ہے اُسے دیکھکر ہر آدمی بے ساختہ بول اُٹھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر یہ دن کم نہ کیے جاویں تو ایک متنفس بھی اس سے نجات نہیں پا سکتا۔ ایسا ہی یہ الفاظ آجکل کے کثرت زلازل پر بھی صادق آ رہے ہیں جسے خود ایڈیٹر صاحب اگزیمنر زلزلوں کی وبا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ ابھی تو یہ اُس وبا کی چھوٹی سی ابتدا ہوئی ہے۔ گذشتہ زلزلوں سے جسقدر تباہ کن خرابیاں دنیا میں واقع ہوئی ہیں وہ اُن خرابیوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں جو دنیا پر آنیکے لیے پردۂ تقدیر میں ابھی مقدر ہیں۔ وہ دن دور نہیں کہ جب ہر متنفس کے مُنہ سے یہی نکلے گا کہ "اگر یہ دن گھٹائے نہ جاویں تو ایک متنفس بھی نجات نہیں پا سکتا" مسیح موعودؑ نے خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر یہ پیشگوئی شایع کی ہوئی ہے کہ ایک ایسی تباہی دنیا پر آنیوالی ہے کہ جسکی مثال نہ پہلے زمانوں میں ہے اور نہ آیندہ کبھی ہوگی۔ اُنہوں نے بہت سے زلزلوں میں ایک بڑی خطرناک اور وحشت انگیز زلزلہ کی خبر دی ہوئی ہے کہ جس کی مانند جب سے تاریخ شہادت دیتی ہے کبھی واقع نہیں ہوا اور نہ آیندہ کبھی ہوگا۔ قرآن شریف میں بھی اس زلزلہ کی پیشگوئی موجود ہے یایّھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شیءٌ عظیم۔ یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع

كل ذات حمل حملها وترى الناس سكارى وما هم بسكارى ولكن عذاب الله شديد (الحج) ترجمہ "لوگو! اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرو۔ کیونکہ موعود گھڑی کا زلزلہ ایک بڑی سخت مصیبت ہوگی جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانیوالی ماں سے ڈر کے اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیگی۔ اور جتنی حمل والیاں ہونگی سب کے حمل گر پڑیں گے اور مارے بدحواسی کے لوگ متوالے نظر آئیں گے۔ حالانکہ وہ متوالے نہ ہوں گے بلکہ خدا کا عذاب جو بہت سخت ہے اس کے خوف سے لوگ بدحواس ہو رہے ہونگے" قرآن شریف میں آنیوالے خطرناک زلزلہ کے متعلق صرف یہی آیت نہیں بلکہ اور بھی کئی آیات ایسی ہیں جن میں آنیوالے زلزلہ کی خبر دی ہوئی ہے۔ خدا کا کلام جو مسیح موعودؑ پر نازل ہوا اُس سے ہمیں علم حاصل ہوتا ہے کہ وہ خوفناک دن جس میں یہ قرآنی پیشگوئی پوری ہونیکو ہے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس زلزلہ کو حضرت مسیح موعودؑ خود بھی دیکھیں گے جنکی عمر اسوقت ستر برس کے قریب پہنچ چکی ہے۔ یسوع مسیح کے ان الفاظ سے بھی یقینی طور پر یہی زلزلہ مراد تھی اُس نے کہا ہے "پر انپر افسوس جوان دنوں پیٹ والیاں اور دودھ پلانے والیاں ہوں"۔ کیونکہ یسوع مسیح کے یہ الفاظ قرآن شریف کے اُس بیان کے ساتھ ملتے جلتے ہیں جو آنیوالے زلزلہ کے متعلق مذکور ہیں۔

(ب) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صرف انجیل ہی ایسی کتاب نہیں کہ جس میں مسیح کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی درج ہو۔ یہ پیشگوئی تو قرآن شریف۔ اور احادیث میں بھی درج ہے۔ بلکہ ان میں تو یہ انجیل کی نسبت بہت وضاحت اور عمدگی کے ساتھ مندرج ہے۔ پیغمبر خدا حضرت سرور کائنات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اُن نشانات کی ہی وضاحت اور تعیین کی ہے جو انجیل میں گول مول اور مبہم پیرایہ میں درج تھے۔ بلکہ آپ نے مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق اور بھی بہت سارے کھلے کھلے نشانات جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجایش نہیں بیان فرمائے جو صفائی سے پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ دراصل دوبارہ آمد کے متعلق انجیل کی مبہم باتیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی کھلی پیشگوئیوں کے بالمقابل ہیچ نظر آتی ہیں۔ یہ ایک مسلّم امر ہے کہ جب کسی پیشگوئی کا کھلے طور پر پورا ہونا ثابت ہو جائے تو ہر شخص پر اُسپر ایمان لانا واجب ہو جاتا ہے۔ اسوقت اس بات کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کس کے مُنہ سے یہ پیشگوئی نکلی تھی۔ مثلاً اگر مسیح کی کوئی پیشگوئی اس زمانہ میں بیّن طور پر پوری ہو تو اگرچہ آریہ سماجیوں اور بدھ لوگوں نے مسیح کو پہلے کبھی سچا نبی نہیں مانا۔ لیکن اُنپر اس کی اس پیشگوئی کی سچائی کا ماننا ضروری ہوگا جو اُنہوں نے واقع ہوتی دیکھ لی ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفٰے کی کوئی پیشگوئی جو ۱۳۰۰ برس پہلے کی بیان فرمائی ہوئی ہے۔ صاف اور واضح طور پر اسوقت پوری ہوتی دیکھی جاوے تو عیسائیوں کو حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ محض اس خیال سے اسے رد کر دیں کہ وہ مسلمانوں کے پیغمبر صلعم کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشگوئیاں جو مسیح کے دوبارہ نزول کے بارے میں تھیں۔ اس زمانہ میں پوری ہو رہی ہیں۔ اور انکے پورا

ہونیسے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ چونکہ سچی پیشگوئی سچا نبی ہی کرسکتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشگوئیاں سچی ثابت ہوئیں اس لیے آپ سچے نبی ہیں اور اپنے منجانب اللہ ہونے کے تمام دعووں میں راستباز۔ دوم۔ یہ کہ حضرت مسیح موعود اپنے تمام دعاوی میں برحق ہیں۔ کیونکہ انکی بعثت سے تمام نشانات اور پیشگوئیاں جو مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق ہیں پوری ہوئی ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کے بارے میں جسقدر نشانات بیان فرمائے ہیں اُن سب کو یہاں درج کر دیتا۔ اور یہ دکھلاتا کہ کس کس طرح وہ سب پورے ہو چکے ہیں لیکن قلت گنجایش مانع ہے۔ پھر بھی ناظرین کی آگاہی کے لیے اسجگہ مَیں اُس ایک ہی پیشگوئی کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جسکا حوالہ اناجیل میں بھی ہے اور جس کی بنا پر اگریمنر کے ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں حضرت میرزا غلام احمدؐ صاحب مسیح موعود کے دعوے کو اُسوقت تک نہیں مان سکتا جب تک کہ انکی صداقت کا کوئی نشان آسمانپر مجھے نہ دکھایا جائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ایڈیٹر صاحب نے یہ بات کس دل سے لکھی ہے۔ اگر انہوں نے حق پژوہی کی فطرتی تحریک سے لکھی ہے تو مَیں انکو اس فیصلہ کے لیے زیادہ انتظار میں نہیں چھوڑتا۔ شاید ایڈیٹر صاحب نے بھی کبھی سنا ہوگا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بھی پیشگوئی ہے...... کہ ہمارے مسیح موعود یا مہدی کے زمانہ میں آسمانپر عظیم الشان نشان اسکی تصدیق کے لیے ظاہر ہوگا۔ اور وہ نشان یہ ہوگا کہ رمضان کے مہینے میں چاند کو گرہن لگنے کی پہلی رات اور سورج کو گرہن لگنے کے دنوں میں سے درمیان کے دن گرہن لگیگا۔ یعنی ایک ہی ماہ رمضان میں ۱۳۔ تاریخ کو چاند اور ۲۸۔ تاریخ کو سورج کا گرہن ہوگا۔ یہ عظیم الشان نشان آسمانپر ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۱ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء عیسوی کو ظاہر ہوا۔ یہ وہی نشان تھا جو متی ۲۴/۳۰ میں درج ہے کہ "تب ابن آدم کے لیے آسمانپر نشان دکھایا جائیگا" یہ یقینی امر ہے کہ انجیل متی کی آیت سے مراد یہی نشان ہے۔ اور اس بات کی تصدیق انجیل کی اس آیت سے بھی بہت اچھی طرح ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ "ان دنوں تب سورج اندھیرا ہو جائیگا اور چاند روشنی نہیں دیگا" اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہی نشان ابن آدم کے لیے آسمانپر ظاہر ہونیوالا تھا جسکو دنیا نے دیکھنا تھا۔ یہ پیشگوئی جو کسوف وخسوف کے متعلق ہے تیرہ سو (۱۳۰۰) برس سے آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلعم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے۔ اور نہایت عمدگی اور صفائی کے ساتھ انہیں تاریخوں میں واقع ہوئی ہے جو حضور ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھیں۔ اور اسکا وقوع آسمانپر ہوا جہاں ہر ایک آدمی اسکو دیکھ سکتا تھا اور کسی طرح سے شک کی گنجایش نہیں ہو سکتی تھی۔ ایسے بدیہی اور بین نشان سے عیسائی صاحبان انکار نہیں کر سکتے......................

...... اور نہ ہی کوئی اس بات سے انکار کرسکتا ہے کہ متی ۲۴/۳۰ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(ج) یہودی اور مسیحی حلقوں میں یہ بات مانی جاتی ہے کہ مسیح موعودؑ کا نزول آدم علیہ السلام سے ساتویں ہزار میں واقع ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اب آدم علیہ السلام سے ساتواں ہزار جارہا ہے۔ اس لیے یہی وقت مسلم طور پر ظہور مسیح موعودؑ کا ہے۔ خدا نے دنیا کو چھ دنوں میں بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ لیکن زبور ۹۰/۴ اور قرآن شریف کے رو سے ثابت ہے کہ خدا کا

ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چھ ہزار سال تک تو دنیا مشقت اور محنت میں گذاریگی اور ساتویں ہزار میں جو سبت اور آرام کا دن مقرر تھا۔ اس میں خدا کے بندے مسیح موعودؑ کی بادشاہت میں امن اور آرام سے بسر کریں گے۔ یہ ساتواں ہزار ابھی شروع ہوا ہے۔ اور اگر مسیح موعودؑ اسوقت ظاہر نہ ہو تو پھر اسکا ظاہر ہونا ہی محال اور ناممکن ہے

(د) عیسائیوں کے حساب کے مطابق بائبل کی پیشگوئیوں کے رو سے بھی یہی وقت مسیح موعودؑ کے ظہور کا ثابت ہوتا ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے کئی رسالے اور کئی کتابیں اسی مضمون پر لکھی اور شایع کیگئی ہیں جنہیں بڑے وثوق کے ساتھ بائبل کی پیشگوئیوں کے مطابق یہی زمانہ ظہور مسیح موعود کا قرار دیا گیا ہے۔ میں اسجگہ ان بہت ساری کتب ورسائل میں سے صرف ایک ہی کا حوالہ دیتا ہوں جسکا نام "ملینل دان" ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۸۹ء میں شایع ہوئی ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں بڑے غور و فکر سے بائبل کی پیشگوئیوں پر تدبر کرکے نہایت تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ مسیح موعودؑ کا ظہور سنہ ۱۸۷۳ء میں ضرور ہوگا۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسوقت سے لیکر سنہ ۱۹۱۴ء تک وہ اپنے مقدسوں کو جمع کرتا رہیگا۔ اور تب اسکی بادشاہت ایسی مضبوط طور پر قایم ہو جائیگی کہ جسکو سارے لوگ دیکھ سکیں گے۔ لیکن اسوقت سے پہلے اسکو سوائے چند خاص برگزیدوں کے کوئی نہ پہچانیگا۔

(ہ) دانیال نبی کے ۱۲ باب کی آخری آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں ظاہر ہوگا۔ اور ۴۵ سال تک اسکا دور دوراں رہیگا۔ ان آیات میں وہ جملہ جسکا ترجمہ "اور وہ مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے قایم کیجائیگی" کیا گیا ہے دراصل اس کے معنے یہ ہیں کہ بُت توڑے جائینگے۔ اصل عبرانی میں یہ الفاظ ہیں (ولطیط شقوس) یعنی اور بُت توڑ دیے جائینگے۔ یہ آنحضرت فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ آپ ہی کے عہد رحمت مہد میں بت توڑے گئے۔ اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مسیح موعودؑ کا ظہور بھی اُسی زمانہ میں ہوا جو اس پیشگوئی میں درج ہے یعنی سب سے پہلے سنہ ۱۲۹۰ ہجری کے قریب ہی انہوں نے دعوی ماموریّت کیا۔ انہوں نے یہ بھی پیشگوئی کی کہ میرا زمانہ ۴۰ سال کے قریب ہوگا۔ پھر جب ہم عیسائیوں کی اسبات پر غور کرتے ہیں کہ وہ بھی بائبل کی دوسری آیت کی بنا پر مسیح موعود کے نزول کا یہی زمانہ شمار کرتے ہیں تو اس آیت کے ان معنوں کو اور بھی تقویّت پہنچتی ہے۔

متی ۲۴/۲۴ میں مسیح سے منقول ہے کہ "کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھینگے اور ایسے بڑے نشان اور کرامتیں دکھاویں گے کہ اگر ہو سکتا تو وے برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے"۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان الفاظ کو کیا وقعت حاصل ہے۔ راقم اگزیمنر اسی آیت کی بنا پر حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے سے انکار کرتا ہے۔ لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حقیقت میں اس پیشگوئی سے مراد کیا ہے؟ کیا اس کے یہی معنے ہیں کہ ہم کسی نبی کو نہ مانیں خواہ اس کے ہاتھ پر کیسے ہی سچے اور عیاں معجزات بھی ظاہر کیوں نہ ہوئے ہوں؟ کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ ایسے نبی سے بھی انکار ہی کیا جائے جس کے ہاتھ سے ایسے معجزات ظاہر ہوئے ہوں جو سچے نبیوں سے ہی ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ نشانات جن کے ظہور سے سچے نبی شناخت کیے

جانتے ہیں جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں؟ اگر یہی حال ہے تو پھر سچے اور جھوٹے نبیوں کی شناخت میں فرق کیا اور کہاں ہے؟ اور اس بات کا بھی پھر کیا ثبوت باقی رہتا ہے کہ انبیائے سابقین جن کی صداقت پر ایمان لایا جا چکا ہے حقیقت میں صادق ہی تھے؟ جبکہ وہی نشان جو انبیائے سابقین کے ہاتھوں سے ظاہر ہوئے اور انکی شناخت اور تصدیق کا ثبوت ٹھہرائے گئے وہ نبوت کے جھوٹے مدعیوں سے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں تو اس بات کو کیوں مانا جائے کہ وہ لوگ برحق نبی تھے اور یہ جھوٹے؟ یہ مسیحی ایڈیٹر صاحب تو ایسے بیباک نکلے ہیں کہ انہوں نے سچے اور جھوٹے نبیوں کی شناخت کے علم کے سر پر پانی پھیر دیا ہے۔ اور یہ قرار دیدیا ہے کہ پہلے نبیوں نے جو نشان دکھائے تھے اور جن پر انکی صداقت کا مدار سمجھا گیا تھا وہ بیسویں صدی کے جھوٹے نبی بآسانی دکھا سکتے ہیں۔ پھر جبکہ یہی حال ہے تو سچے اور جھوٹے نبی میں امتیاز اور شناخت کا کونسا معیار باقی رہتا ہے۔ اس طرح تو سارے پہلے نبی جھوٹے ہی قرار پاتے ہیں۔ اگر یسوع کی اس کلام کا مطلب یہی ہے کہ ہر ایک مدعی نبوت کا بلا امتیاز انکار ہی کیا جائے خواہ اسکی تائید میں کیسے ہی زبردست اور بیّن نشانات کیوں نہ ظاہر ہوئے ہوں۔ تو اس کی یہ بات نہایت ہی قابل نفرت اور مضر ہے۔ کیونکہ یہ تو پہلے سچے نبیوں کو جھوٹا قرار دینے کے لیے ایک وجہ بنتی ہے۔ اور اس طرح یہ کلام سچے اور جھوٹے اور کاذب و صادق میں سے تمیز اُٹھا دیتا ہے اور سچ اور جھوٹ کو مخلوط کر دیتا ہے۔ اگر وہ نشانات جو سچے نبیوں نے دکھائے جھوٹے نبی بھی دکھانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور سچے کو جھوٹے نبی سے تمیز اور شناخت کرنے کے لیے کوئی معیار موجود نہیں تو پھر خود عیسائیوں کے ہاتھ میں یسوع کی صداقت کی کونسی دلیل باقی رہ جائیگی اور کیوں یہودیوں کو مسیح کے جھوٹا ٹھہرانے میں حق پر نہ مانا جاوے؟ اول تو یسوع کے جو معجزات بیان کیے جاتے ہیں۔ وہ نرے خوش اعتقادوں کے بنائے ہوئے قصے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ کوئی تاریخی ثبوت اسبات کا پیش نہیں کیا جاتا کہ جن باتوں کے ظہور کا یسوع سے بطور معجزہ دعوی کیا جاتا ہے وہ کبھی دنیا میں واقع بھی ہوئی تھیں۔ لیکن اگر فرض محال کے طور پر انکے وقوع کو مان بھی لیا جائے تو بھی ایڈیٹر صاحب "اگزیمنر" کے اصول کے مطابق وہ یسوع کی سچائی کا کسی طرح ثبوت نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انکا اپنا بیان ہے کہ ایسے معجزات جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں۔ پس مسیح کے سچا نبی ہونے کے لیے کوئی امتیازی نشان باقی نہیں رہ جاتا اور یہودیوں کی شہادت اسکے کذب پر ناطق ٹھہرتی ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ پادری صاحبان ایسے تعصب کی تاریکی میں پھنسے ہوئے ہیں کہ حق کے دیکھنے کی طرف مائل بھی نہیں ہوتے۔ انکی یہ عادت ہو گئی ہے کہ وہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو بے سوچے سمجھے جھوٹا نبی کہدیتے ہیں اور یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اسی طرح کا جھوٹا نبی ہے جنکی نسبت یسوع نے کہا ہوا ہے کہ بہتیرے جھوٹے مسیح اُٹھیں گے۔ اور بڑے بڑے نشانات دکھائیں گے۔ جب ان لوگوں کے مُنہ سے یہ باتیں سنی جاتی ہیں تو انکی حالت پر رونا آتا ہے۔ ہم انسے اتنا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جھوٹے ہی آتے رہیں گے یا کوئی سچا بھی آئیگا؟ اور کیا سچے اور جھوٹے نبی کی

شناخت کے لیے کوئی معیار ہے بھی کہ نہیں؟ اور کیا ساری بائبل ایسی لکھی ہے کہ کسی مدعیٔ نبوت کی صداقت پرکھنے کے لیے کوئی محک پیش نہیں کرتی؟ کیا یسوع کی اتنی بات کہ بہتیرے جھوٹے نبی آئیں گے اور حیرت انگیز نشانات دکھائیں گے،، اسبات کے لیے کافی ہوگئی ہے کہ ہر ایک مدعیٔ نبوت کا بے سوچے سمجھے انکار کر دیا جائے؟ کیا انسان میں اتنی عقل بھی نہیں رہی کہ ایک مدعیٔ نبوت جو دلایل اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے انپر غور کرے اور اپنے لیے فیصلہ کرے کہ آیا وہ مدعی سچا ہے یا جھوٹا۔ کیا ہر ایک مدعیٔ نبوت کا بے سوچے سمجھے انکار کرنا اور اس کے دعاوی اور دلایل کی طرف بالکل آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھنا اور نہ انکی طرف کان دھرنا اور نہ ہی کچھ غور کرنا عیسائیوں کے آقا یسوع کی وصیت ہے؟ کیا سچے اور جھوٹے میں امتیازی نشان کوئی نہیں؟ اگر کوئی نشان ایسے نہیں تو عیسائی کسطرح ایمان رکھتے ہیں کہ یسوع جھوٹا نبی نہ تھا؟ اگر ایسے نشانات کا ہونا ممکن ہے تو کیوں ذرا تامل اور غور سے نہیں دیکھتے کہ آیا حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تائید میں اُس قسم کے نشانات ظاہر ہوئے ہیں کہ نہیں؟ پھر اگر وہ اسطرح جھوٹے ثابت ہوں تو پادریوں کا فرض ہے کہ اُن تمام علامات کو ظاہر کرکے جو سچے نبی کو جھوٹے نبی سے تمیز کرنیکے لیے مقرر ہیں دنیا کو انکے جھوٹے نبی ہونیکا ثبوت دیں۔ صرف مُنہ سے اتنا کہہ دینا کہ وہ جھوٹا نبی ہے بڑی بھاری بیباکی ہے۔ پھر راقم اگزیمنر نے ایک اور بیہودہ بات لکھی ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے ایسی پیشگوئیاں کی ہیں جن کے پورا ہونے میں انکو کامیابی حاصل ہوئی تو بھی وہ سچے نہیں مانے جاسکتے۔ کیونکہ یسوع نے کہا ہوا ہے کہ ”بہتیرے جھوٹے نبی اُٹھیں گے اور حیرت انگیز نشان دکھائیں گے،، پھر یہ لکھا ہے کہ پیشگوئیاں قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ ان دنوں جھوٹے نبی بھی ہوں گے اور سچے نبی بھی ہوں گے۔ اور کسی مدعیٔ نبوت کی پیشگوئیوں کا جھوٹا نکلنا اسکے کذب دعویٰ پر دال نہیں ہوسکتا۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن سے بائبل کی بیخ و بنیاد اُکھڑ جاتی ہے۔ اگر یسوع کے کلام کے وہی معنے سمجھے جائیں جو ایڈیٹر اگزیمنر نے بیان کیے ہیں تو پھر یسوع کی باتیں چونکہ گمراہ کرنیوالی ہیں اور خدا کے کلام سے جو موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء پر نازل ہوا تھا مخالف ہیں اس لیے قطعی طور پر مردود ہیں۔ اس اخبار کے رو سے سچے نبی کو جھوٹے نبی سے تمیز کرنیکے لیے کوئی محک نہیں۔ یہانتک کہ کسی مدعیٔ نبوت کی پیشگوئیوں کا سچا ہونا اسکی صداقت کی دلیل نہیں اور اسکی پیشگوئیوں کا جھوٹا ہونا اس کے کذب پر دلیل نہیں۔ انکے نزدیک جھوٹے نبی بھی سچی پیشگوئی کرنیکی قدرت رکھتے ہیں۔ یہ کیسی شرمناک بات ہے کہ مسیحی مشنری بائبل سے ایسے ناواقف ہیں۔ بائبل میں تو کھلے طور پر سچے اور جھوٹے نبی کی شناخت کے آثار لکھے ہیں۔ اس میں صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے کہ سچی پیشگوئی کے معجزے جھوٹے نبیوں سے صادر نہیں ہوسکتے۔ لیکن یہ بیسویں صدی کچھ ایسی آئی ہے کہ اس کے مسیحی مشنری جو بائبل اور گذشتہ نبیوں کی تواریخ سے واقفیت کے مدعی ہیں کہتے ہیں کہ سچے اور جھوٹے نبیوں کو شناخت کرنیکے لیے کوئی محک موجود نہیں۔ پیشگوئیاں محض مبہم ہوتی ہیں اور ان سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اور جھوٹے نبی بھی ایسے معجزے دکھا سکتے ہیں۔ جو سچے نبیوں کی صداقت کا نشان ہوتے ہیں۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ بات خیال میں نہیں لاتے

کہ اگر سچّے اور جھوٹے نبی کو پہچاننے کے لیئے کوئی معیار موجود نہیں تو سچّے نبیوں کو جن میں یسوعؑ کو بھی وہ شامل کرتے ہیں کس ثبوت پر سچّا مانا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ تعصب و جہالت نے ایسا احاطہ کیا ہوا ہے کہ لوگ سچی بات کو اپنی توہم پرستی اور انسان پرستی کے نقصوں کو چھپانیکے لیئے ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ یا انکی سمجھ ہی ایسی مسخ ہو گئی ہے کہ وہ اُن حقایق سے انکار کرنے پر جلد آمادہ ہو جاتے ہیں جو ان کے مسلّمات میں داخل ہو تی ہیں۔ مثلاً عیسائی صاحبان کی حالت اس موقع پر غور کرنیکے قابل ہے۔ مَیں اسجگہ ناظرین کو یہ بات دکھاتا ہوں۔ کہ عیسائیوں کے مذکورہ بالا اعتقاد کے برخلاف بائبل میں سچّے اور جھوٹے نبیوں کو شناخت کرنیکا معیار موجود ہے۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی وہی ہوتا ہے جس کی پیشگوئی پوری نہیں ہوتی۔ مَیں اس باتکے ثبوت میں کتاب استثنار کی وہ آیات پیش کرتا ہوں جن کے پڑھنے سے صاف الفاظ میں میری بات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ استثنار $\frac{18}{20-22}$ میں لکھا ہے ”لیکن وہ نبی جو گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا مَیں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے۔ تو وہ نبی قتل کیا جاوے۔ اور اگر تُو اپنے دل میں کہے کہ مَیں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں۔ تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اُس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے۔ تو اس سے مت ڈر“

ان آیات میں صاف طور پر سچّے اور جھوٹے نبی کی شناخت کا معیار لکھا ہے۔ کیونکہ بڑے کھلے لفظوں میں لکھا ہے کہ وہ شخص جس کو خدا نے نبی نہیں بنایا اور صرف افترا کر گستاخی سے نبوت کا مدعی بنا ہے وہ ہلاک ہوتا ہے پھر یہ بھی واضح طور سے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص خدا پر افترا کرتا ہے اور جھوٹی پیشگوئی خدا کے نام سے ظاہر کرتا ہے تو وہ واقع نہیں ہوتی یا پوری نہیں ہوتی۔ اسکا صاف ماحصل یہی ہے کہ سچی پیشگوئی سچّے نبی کا نشان ہے۔ اسی طرح اگر عہدنامہ جدید کی طرف توجہ کریں تو وہاں بھی اسی قسم کے معیار ملتے ہیں جن سے سچّا اور جھوٹا پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ متی $\frac{7}{15-16}$ میں لکھا ہے ”پر جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمھارے پاس بھیڑوں کے لباس میں آتے پر باطن میں پھاڑنیوالے بھیڑیے ہیں۔ تم انہیں انکے پھلوں سے پہچانوگے“ یہاں یسوع جھوٹے نبیوں کو بُرے درخت سے تشبیہ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ (متی $\frac{7}{19}$) ”ہر ایک درخت جو اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ پس انکے پھلوں سے تم انہیں پہچانوگے“ اب اس کلام سے ثابت ہے کہ انجیل میں بھی جھوٹے نبیوں کی شناخت کا معیار دیا گیا ہے کیونکہ یسوع کہتا ہے کہ جھوٹے نبی بُرے درخت کی طرح کاٹے جائیں گے۔ یہ وہی معیار ہے جو خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ جھوٹا نبی جلد ہلاک کیا جاویگا۔ اور یہ بھی کہ وہ سچّے نبیوں کی طرح کامیاب ہونیکے لیئے مہلت نہیں پاتے۔ کیونکہ اگر جھوٹے نبی بھی سچّے نبیوں کی طرح ہی کامیاب ہوتے تو سچّے اور جھوٹے کو پہچاننے کے لیئے کوئی تمیز باقی نہ رہتی۔ اب جبکہ یہ بات پورے طور پر عیاں ہو چکی ہے کہ نہ صرف عہدنامہ عتیق میں ہی اسکا

ثبوت پایا جاتا ہے بلکہ عہد نامہ جدید میں بھی سچے اور جھوٹے نبیوں کی شناخت کا معیار مذکورہ بالا موجود ہے تو میں اس بات کی تحقیق کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود میرزا غلام احمد صاحب اپنے دعوے میں ان معیاروں کے لحاظ سے سچے ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟ غور کا مقام ہے کہ آج حضرت میرزا غلام احمد صاحب تیس سال کے عرصہ سے خدا کے نام پر پیشگوئیاں شایع کر رہے ہیں۔ دو سو سے زیادہ ایسی پیشگوئیاں ہیں جن کو انہوں نے خدا کے نام سے پہلے شایع کیا اور پھر وہ پوری ہوئیں۔ اور انکا پورا ہونا ایسا نہیں کہ خانہ ساز باتیں اور خوش اعتقادی کے قصے ہوں بلکہ یہ ثابت ہے کہ نہایت بیّن اور اظہر طور پر پوری اور واقع ہوئیں اور ہزار ہا لوگ مختلف اقوام اور ملل کے موجود ہیں جو انکے چشم دید گواہ ہیں۔ میں اسجگہ بطور نمونہ انکی چند پیشگوئیوں کو درج کرتا ہوں اور وہ یہ ہیں۔

(الف) حضرت میرزا غلام احمد صاحب ایک گاؤں میں رہتے ہیں۔ اس گاؤں کا نام قادیان ہے اور پنجاب کے دارالخلافہ لاہور سے قریباً پچاس کوس کے فاصلہ پر بجانب مشرق آباد ہے۔ ابتدائے زمانہ میں جب وہ اپنے گاؤں میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کوئی بھی ان کو نہ جانتا تھا تو انہوں نے پہلے پہل ایک ضخیم کتاب لکھی جسکا نام براہین احمدیہ ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے بہت سارے الہامات خدا کی طرف سے شایع کیے۔ ان الہامات میں یہ الہام بھی درج ہے: فحان ان تعان وتعرف بین الناس.... یأتون من کل فج عمیق یأتیک من کل فج عمیق۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس " یعنی وہ دن قریب آ رہے ہیں کہ تیری مدد کیجائے گی اور تو لوگوں میں پہچانا جائیگا.... لوگ تیرے پاس دور دراز سے آئیں گے۔ تحفے دور دراز راہوں سے تیرے پاس آئینگے.... خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس جمع ہوں گے..... مُنہ نہ پھیرنا۔ اور لوگوں سے مت تھکنا" ایسی گمنامی کیحالت میں یہ الٰہی الہامات الٰہی تائید کے وعدے دیتے اور ایک ایسے زمانہ کی پیشگوئی کرتے تھے کہ جس میں حضرت ممدوح کو سارے آفاق میں شہرت حاصل ہوجائے گی۔ اور تمام ملکوں کے لوگوں کو انکی طرف توجہ ہوجائیگی۔ پھر یہ الہامات جسوقت شایع کیے گئے تھے وہ ایسا زمانہ تھا کہ جب کوئی انسان گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کبھی پورے بھی ہو سکتے ہیں حضرت ممدوح اپنے گاؤں میں خلوت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کون ہیں۔ ان الہامات کو شایع ہوئے چوتھائی صدی کے قریب گذرا ہے اب وہ باتیں جن کے واقع اور پورا ہونے سے انسانی عقلیں اور اندازے بالکل مایوس تھے ایسے خارق عادت طور پر واقع اور پوری ہو رہی ہیں کہ انسان دیکھ دیکھ کر حیرت میں پڑ رہے ہیں۔ تمام دنیا کی مختلف ممالک اور تمام ممالک کے مختلف حصص میں کثرت سے لوگ انکی بیعت میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہندوستان۔ برہما۔ عراق۔ عرب۔ ایران۔ افغانستان۔ مصر۔ شام۔ مشرقی افریقہ۔ بربرا۔ یہانتک کہ امریکہ میں بھی آپکے مرید موجود ہیں۔ اور عام طور پر تمام دنیا میں آپ کو اسقدر شہرت حاصل ہوگئی ہے کہ سمجھدار دنیا میں کوئی بد نصیب مرد و عورت اور بچہ ایسا ہوگا جو انکے نام سے آشنا نہ ہو چکا ہو۔ اور انکے دعاوی سے کسی نہ کسی رنگ کی دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ دور دراز سے لوگ ہر روز قادیان

ہیں انکے پاس آتے ہیں اطرح طرح کے ہدیے تحایف لاتے اور بھیجتے ہیں۔

(ب) آریہ سماج قادیان کے بعض ممبروں کو حضرت ممدوح نے پنڈت دیانند صاحب بانی آریہ سماج کی ناکام موت کی قبل از وقت اطلاع دی۔ چنانچہ اوسی پیشگوئی کے مطابق پنڈت دیانند صاحب تھوڑے دن بعد مر گئے۔ بعض پنڈت جی کے ماننے والے آریہ سماجی جن کو اس پیشگوئی سے قبل از وقت اطلاع دی گئی تھی ابھی تک قادیان میں زندہ موجود ہیں اور وہ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

(ج) لیکھرام ایک مشہور آریہ لیڈر تھا جس نے اسلام کی نسبت سخت بدزبانی کا رویہ اختیار کیا تھا۔ اسکی نسبت بھی حضرت ممدوح نے پیشگوئی کی کہ وہ چھ سالوں میں مارا جائے گا۔ اور اسکے قتل کا دن مسلمانوں کی عید کے دوسرے دوسرا دن ہوگا۔ یہ پیشگوئی بھی نہایت صفائی سے لفظاً لفظاً پوری ہوئی۔ حضور ممدوح کے پاس ہزارہا لوگوں کی جن میں ہندو مسلمان عیسائی وغیرہ شامل ہیں تحریرات موجود ہیں۔ جنہوں نے اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھا اور اس کے واقع اور پورا ہونیکی گواہی دی ہے۔

(د) براہین احمدیہ میں ہندوستان میں طاعون پھیلنے کی پیشگوئی درج ہے۔ اور یہ بھی پیشگوئی کی ہوئی ہے کہ طاعون اسوقت دور ہوگی جب لوگ حضور ممدوح کی طرف رجوع کر کے انکی خدمت میں گذارش کریں گے کہ وہ اس کے دفعیہ کے لیے دعا فرمائیں۔ الہام مذکورہ بالا کے الفاظ یہ ہیں۔ یا مسیح الخلق عدوانا یعنی اے خلق کے مسیح اس وباسے ہمارے بچنے کے لیے دعا کر۔" پھر جبکہ طاعون ابھی پنجاب میں داخل نہ ہونے پائی تھی تو انہوں نے خدائے تعالیٰ سے اطلاع پاکر پیشگوئی کی تھی کہ پنجاب میں بھی سخت قسم کی طاعون زور سے عنقریب پھیلے گی۔ یہ ساری باتیں جیسی کہی گئی تھیں ٹھیک اُسی طرح پوری ہوئیں۔

(ﮦ) ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے واقع ہونے سے بہت پہلے انہوں نے پیشگوئی شایع کی ہوئی تھی کہ اس دیار میں کسی جگہ خطرناک زلزلہ سے محل اور مقامات پر ایسی سخت آفت آنیوالی ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر گر کر زمین سے ملجائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا جسکے ثبوت کی چنداں ضرورت نہیں۔

(و) حضور ممدوح کے دشمنوں نے طرح طرح کے منصوبے بنا کر انپر مختلف اوقات میں ۷ خطرناک فوجداری مقدمات کیے۔ ان ساتوں مقدمات میں سے ہر ایک مقدمہ جب ہونے لگتا تو اس سے بہت عرصہ پہلے آپ پیشگوئی کر دیتے کہ کوئی مقدمہ اس رنگ کا ہونیوالا ہے۔ چنانچہ پھر ویسا ہی مقدمہ ظاہر ہو جاتا۔ اور ہر ایک مقدمہ میں اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ذلت اور ناکامی کی پیشگوئی کرتے اور اُسی طرح ہوتا رہا۔ اور ہر قدم پر ہر ایک شق پیشگوئیوں کی بلا استثناء پوری اور واقع ہوتی رہی۔

(ز) حضور ممدوح کے چار بیٹے ہیں۔ اور ہر ایک بیٹے کی پیدایش ایک نشان الٰہی ہے۔ کیونکہ ہر ایک کی پیدایش سے

پہلے ایک پیشگوئی کی گئی- اور اُسی کے مطابق لڑکے پیدا ہوتے رہے-

(ج) براہین احمدیہ میں لکھا یہ الہام درج ہے شاتان تذبحان - یعنی دو بکریاں ذبح کیجائیں گی" یعنی آپکے دو مرید اپنے ایمان کی خاطر قتل کیے جائیں گے- چنانچہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ آپکے دو مرید اسی پیشگوئی کے مطابق کابل میں قتل کیے گئے- باوجودیکہ سلطنت کابل نے ان کو بارہا کہا کہ اگر تم میرزا صاحب پر ایمان سے توبہ کرو اور اُنکو چھوڑ دو تو تمھیں نہ صرف رہائی ہی دیجاویگی بلکہ تمھارا بہت اعزاز و اکرام بڑھایا جاویگا- لیکن انہوں نے دنیا پر دین کو مقدم کیا اور جان پر ایمان کو فوقیت دی- دونوں مسیحوں میں یہ کیسا مقابلہ ہے کہ ایک کے مرید تو اپنے ایمان پر بڑی خوشی سے جان قربان کرتے ہیں- اور بادشاہ وقت کی طرف سے انعام واکرام کے وعدوں کی کچھ پروا نہیں کرتے- اور خود بھی بڑی دولت وجاہ حشمت کے مالک ہیں- لیکن دوسرے کے مرید ایسے تھے کہ مشکل کی گھڑی میں اپنے مسیح سے منحرف ہو گئے- بلکہ اُسپر لعنت کی اور تھوڑے سے روپے لیکر اسکو گرفتار کرا دیا-

حضرت ممدوح کی بیشمار پیشگوئیوں میں سے جو سب کی سب پوری اور واقع ہوئیں یہ چند پیشگوئیاں مختصر الفاظ میں بطور نمونہ درج کر دی گئی ہیں- اب ظاہر ہے کہ اگر آپ سچے نبی نہ ہوتے تو وہ پیشگوئیاں جو آپنے خدا کے نام پر شایع کی تھیں پوری اور واقع نہ ہوتیں- کیونکہ کتاب استثنار ۱۸؍۲۲ میں لکھا ہے کہ جو پیشگوئی خدا کے نام پر کیجائے اور وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے نہ ہو تو وہ پوری اور واقع نہیں ہو سکتی- لیکن چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی تمام پیشگوئیاں بلا استثنار ہمیشہ پوری نکلتی رہیں اس لیے اسکا نتیجہ صرف یہی نکلتا ہے کہ وہ سچے نبی ہیں- اب عیسائیوں کے ہاتھ میں کوئی دلیل نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کی تصدیق سے انکار کر سکیں کیونکہ جو معیار بائبل میں سچے نبی کی شناخت کا لکھا ہے اس کے مطابق آپ سچے نبی ثابت ہیں- پس اگر بائبل سچی ہے تو میرزا غلام احمد صاحب بھی اپنے تمام دعاوی میں سچے ہیں- اور عیسائی لوگ جنکا بائبل پر ایمان ہے اسبات کے پابند ہیں کہ وہ ان کو سچا نبی سمجھیں- آپ کی پیشگوئیوں کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ آپکی ایک جدید تصنیف موسوم بہ حقیقۃ الوحی میں درج ہے- ان پیشگوئیوں کو بغور مطالعہ کرنیسے پتہ ملجائیگا کہ یہ پیشگوئیاں محض قیاسی نہیں- بلکہ یہ بہت سادہ اور صاف الفاظ میں ایسے زمانہ میں شایع کی گئی تھیں کہ جسوقت ان پیش گفتہ واقعات کے وقوع کو قیاس کرنا قطعی طور پر انسانی طاقت سے باہر تھا- آپ کی پیشگوئیوں میں ایک اور امر قابل غور ہے کہ انمیں انکی اپنی کامیابی اور دشمنوں کی نامرادی اور انکی فتح اور دشمنوں کی شکست کا ذکر ہوتا ہے- اور انکے پورا ہونے میں اسبات کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ خدا کی تائیدات آپکے شامل حال رہتی ہیں- آپکی پیشگوئیوں میں صرف آیندہ واقعات ہی کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ اُن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا کا زبردست ہاتھ انکی تائید میں لگا ہوا ہے- انکے دعوے کی تصدیق ایک اور طرح سے بھی ہر ایک سمجھدار انسان پر منکشف ہو سکتی ہے- میںنے ابھی

بیان کیا ہے کہ بائبل کے دونوں عہد ناموں عتیق اور جدید میں لکھا ہے کہ جھوٹے نبی کو بجائے اس کے کہ خدا کی طرف سے کوئی نصرت نصیب ہو وہ اپنے اس گستاخانہ افترا علی اللہ کے لیے ماخوذ ہو کر ہلاک کیا جاتا ہے۔ اس معیار پر بھی حضرت میرزا غلام احمد صاحب اپنے دعاوی میں سچے ثابت ہوتے ہیں۔ گذشتہ تیس سالوں سے وہ خدا کی طرف سے الہام پانیکے مدعی ہیں۔ اور اپنے الہامات کو منجانب اللہ شایع کر رہے ہیں۔ لیکن بجائے اسکے کہ جھوٹے مدعیان نبوت کی مقررہ سزا کی رو سے مارے جاتے وہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی پا رہے ہیں۔ انکی شہرت تمام دور و نزدیک میں قایم ہو رہی ہے۔ لاکھوں لوگ انکے مریدوں کے حلقہ میں داخل ہو رہے ہیں اور بیشمار لوگ انکی طرف حسن عقیدت سے [illegible] چلے آ رہے ہیں۔ اگرچہ ہر طبقہ و حیثیت کے لوگوں میں انکے دشمن بھی ہیں۔ اور ان دشمنوں نے انہیں تباہ کرنیکے لیے کوئی دقیقہ اپنی کوششوں اور منصوبہ بازیوں کا اٹھا نہیں رکھا۔ لیکن خدا کے ہاتھ نے ہمیشہ انکی ہی دستگیری کی اور انکے دشمنوں کو ناکام اور [illegible] خاسر بنایا۔ انہوں نے جو تخم ریزی کی وہ بہت عمدگی کے ساتھ پھلی اور پھولی ہے۔ اور مخالفت کا کوئی صدمہ اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ اب یہ بہت بڑا پھلدار درخت ہو گیا ہے۔ اور تمام ابتدائی خطروں سے نکل چکا ہے۔ انکی مشن بہت مضبوط طور پر قایم ہو گئی ہے اور انہیں ہر میدان میں نصرت اور فتح نصیب ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو تباہ نہیں کیا۔ بلکہ آپکے کاروبار اور مساعی کو نہایت خارق عادت کامیابی اور برکت بخشی۔ یہ آپکے صدق دعوے پر ایک زبردست دلیل ہے۔ کیونکہ اگر وہ جھوٹے نبی ہوتے تو پھر خدائے تعالیٰ آپ کو وہ تمام کامیابیاں اور برکات کیوں عطا کرتا جو وہ اپنے صادق انبیاء ہی کو دیا کرتا ہے؟ اور کیوں آپ پر اپنا غضب نازل نہ فرماتا کہ آپ اس غصہ کی بجلی سے بھسم ہو جاتے؟ یسوع کے اُس قول کی طرف غور کرو کہ "درخت کو اس کے پھلوں سے پہچانو"۔ خدائے تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا تھا کہ میں جھوٹے نبی کو تباہ کر دونگا تاکہ سچے اور جھوٹے مدعیانِ نبوت میں ایک امتیاز پیدا ہو جائے لیکن حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو خدا نے تباہ نہیں کیا بلکہ انہیں فتح پر فتح اور کامیابی پر کامیابی دیتا جاتا ہے۔ کتاب براہین احمدیہ جو حضور ممدوح کی سب سے پہلی کتاب ہے اس میں آپنے پیشگوئی درج کی ہوئی ہے کہ انہیں بڑی عمر دیجائیگی۔ اور یہ کہ انکی سخت مخالفت کی جائے گی، اور یہ کہ بہت لوگ انہیں قتل کرنیکے منصوبے کریں گے اور یہ کہ خدا انہیں ہر ایک دشمن کے حملے سے بچائیگا۔ اور انہیں طبعی موت سے وفات دیگا۔ اور یہ کہ جب تک وہ اپنا کام پورے طور پر سرانجام نہ دے چکیں گے اور اپنے سلسلہ کی اشاعت کو دنیا میں مستحکم بنیاد پر قایم نہ کر لیں گے وہ دنیا سے اُٹھائے نہیں جائینگے اور یہ کہ خدا انکی صداقت کو زبردست نشانوں سے ظاہر کریگا۔

سب سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی وہ بات ہے کہ انہوں نے اکثر مرتبہ اپنے مخالفوں کو مباہلہ کے لیے چیلنج کیا۔ اُنہوں نے اپنی صداقت کا ایک یہ بھی نشان اعلان کیا ہوا ہے کہ جو شخص انکی موت کے لیے دعا کریگا وہ دعا اُسی اُلٹ کر

پڑیگی اور وہ خود جلد دُکھ درد کی موت سے ہلاک ہوگا۔ اور مقابلہ کرنیوالا ضرور اُنکی زندگی ہی میں مر جائیگا۔ وہ ہمیشہ بڑی تحدی کے ساتھ تمام دنیا کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ جسکا جی چاہے اُنکی سچائی اس معیار پر پرکھ لے۔ اُنہیں اپنی صداقت پر اتنا کامل ایمان ہے کہ اگر کثیر حصہ دنیا کے لوگوں کا انکے برخلاف انکی موت اور ہلاکت کے لیے دعا کرنے پر آمادہ ہو تو بھی وہ سب کے سب ہی خدا کے غضب سے تباہ ہو جائینگے۔ کیونکہ خدا کا عظیم ہاتھ اُنکی تائید میں ہے اور ہر ایک حریف جو انکی مخالفت کیلیے کھڑا ہوگا اسے ہلاکت کا یقینی پیالہ پلایا جاوے گا۔ مَیں ناظرین کی اطلاع کے لیے یہ امر لکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں دیکھتا کہ اُنکے اس دعوے کے موافق بعض لوگوں نے انکی تباہی کے لیے خدا سے دعائیں بھی کیں۔ لیکن ان سب کو موت کا وہی خمیازہ اُٹھانا پڑا جو حضور ممدوح نے بطور پیشگوئی کہا ہوا تھا۔ اور اسطرح ان کے صدقِ دعوے کا اور بھی بھاری ثبوت بہم پہنچا ہے۔ جن لوگوں نے اُنکی برخلاف مباہلہ کی تلوار کو لیکر انہیں ہلاک کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اُلٹے انکے اپنے ہی گلے کٹ گئے اُنمیں سے چند مشہور معروف لوگوں کے نام ذیل میں لکھدیے جاتے ہیں۔

۱۔ مولوی غلام دستگیر ساکن قصور ضلع لاہور۔ ۲۔ مولوی محمد اسمٰعیل ساکن علیگڈھ۔ ۳۔ پنڈت لیکھرام مشہور و معروف آریہ لیڈر۔ ۴۔ مولوی محمد حسن فیضی ساکن بھیں ضلع جہلم۔ ۵۔ فقیر مرزا ساکن دوالمیال ضلع جہلم۔ ۶۔ چراغدین ساکن جموں۔ یا لوگ یہ سب بڑے مشہور و معروف لوگ تھے اور انہیں ہر ایک کا حال عجیب دلچسپی سے لبریز ہے۔ لیکن میں اسجگہ صرف سب سے آخری یعنی چراغدین ساکن جموں کے حالات لکھنے پر کفایت کرتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ مَیں چراغدین کے ذاتی حالات میں دخل دوں۔ البتہ جہاں تک میرے مضمون کو تعلق ہے اس حد تک لکھنا ضروری سمجھا گیا ہے۔ کچھ عرصہ گذرا ہے کہ چراغدین مذکور نے دعویٰ کیا کہ مَیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے مامور و مرسل کرکے اس بات کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ تا عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان دینی اختلاف کو مٹا کر صلح کرادوں۔ اس نے ایک کتاب موسومہ بہ منارۃ المسیح شایع کی جسمیں اسنے اسبات کا اعلان کیا کہ مسیح کے دوبارہ نزول سے مراد میرا نزول تھا۔ اور میرزا غلام احمد جو مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں جو بجائے اس کے کہ اسلام اور عیسائی مذہب میں صلح کرائیں اُلٹے عیسائیت کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ رہے ہیں۔ درحقیقت دجّال ہیں۔ اس نے خدا سے ایک دعا بھی کی۔ کہ اے خدا میرزا غلام احمد کو میری زندگی میں ہلاک کردے۔ اور مباہلہ لکھدیا۔ ابھی اس دعا کو کیے تھوڑے دن گذرے تھے کہ خدا کے غضب نے بہ رنگ طاعون اسکو آدبایا۔ پہلے اسکی بیخ و تخم کو پکڑا یعنی اسکے دو لڑکوں کو یکے بعد دیگرے تہِ خاک کیا۔ اور پھر اس نامرادی اور حسرت اور بدبختی اور دُکھ دیکھنے کے بعد وہ خود بھی پنجۂ طاعون میں گرفتار ہو کر واصلِ جہنم ہوا۔ کیسا عبرت انگیز وہ وقت تھا کہ جب اس بدنصیب کذّاب کو اپنی جان سے نا امیدی ہوئی

تو اسوقت پکار اُٹھا کہ ہائے! اب خدا نے مجھے چھوڑ دیا ہے - اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ دعا تو اس نے خدا سے یہ کی تھی کہ میرزا صاحب کے دشمنوں کو طاعون سے بچا - لیکن تعجب کی بات ہے کہ آخر کار وہی طاعون اسکے لیے الٰہی سوٹا ثابت ہوئی جس سے بچنے کے لیے وہ دعا کرتا رہا تھا - اس جھوٹی کذّاب کے بعد اسکا ایک اور بدنصیب جانشین پیدا ہوا ہے - جو اپنے آپ کو عبدالحکیم خاں کے نام سے موسوم کرتا ہے - اس نے بھی اپنے پیشوا چراغدین کی نقش قدم پر اعلان کیا ہے کہ مَیں خدا کا مرسل و مامور ہوں - اور مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے - اس نے بھی پیشگوئی کی ہے کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ احمد دجّال ہے اور تین سال کے عرصہ میں مارا جائیگا - یہ تعجب کرنیکی بات نہیں کہ خدا نے ایسے کذّاب اسی ملک پنجاب میں ہی کیوں پیدا کیے - اصل حکمت الٰہی اس میں یہ ہے کہ چونکہ خدا کا سچا مرسل اسی سرزمین میں موجود ہے - اس لیے اس جگہ ہی مفتریان کذّاب بھی کھڑے ہوں کہ تا صادق اور کاذب میں حقیقی طور پر امتیاز عیاں ہو کر کافۃ الناس پر حجت الٰہی پوری ہو - ایک مدعی اور صرف ایک ہی مدعی عہدہ مسیح موعود ہر میدان میں ہر طرح سے مسلّمانہ اندازسے اپنے کاروبار رسالت میں کامیابی پر کامیابی حاصل کر رہا ہے اور اس کے حریف مدعیان سارے ہلاکت - بدبختی - نامرادی - محرومی - اور تباہی کے گہرے گڑھے میں گر رہے ہیں - پس اس معیار کے رو سے جس شخص نے خدا سے الہام نہ پایا پر گستاخی سے اترا کر جھوٹا دعویٰ کیا کہ ہمیں خدا نے الہام کیا ہے اسپر خدا کا غضب وارد ہوا - لیکن جو شخص سچا ہے اسکی ہر میدان میں خدا مدد کرتا ہے اور اپنے ملائکہ کی افواج ہمیشہ اسکی نصرت کے لیے استادہ رکھتا ہے - اور اسکو مخالفوں پر ہمیشہ فتح دیتا ہے - سچے اور جھوٹے نبی کو پہچاننے کے لیے یہ ایک زبردست اور حتمی فیصلہ ہے - لیکن افسوس ہے کہ ہمارے عیسائی دوست اس زبردست اور مسلمہ معیار پر حضرت میرزا صاحب ممدوح کو نہیں پرکھتے - حضرت ممدوح نے کئی دفعہ عیسائیوں کو کہا ہے کہ وہ انکے صدق دعویٰ کے پرکھنے کے لیے مباہلہ کریں - لیکن کسی عیسائی نے اس مقابلہ پر جرأت نہیں کی - اگر یسوع فی الحقیقت خدا ہے اور انکی دعائیں سنتا ہے تو کیوں وہ اسکے حضور میں دعا نہیں کرتے کہ وہ میرزا غلام احمد کو تباہ کرے - میرزا غلام احمد صاحب سے بڑھکر کس نے یسوع مسیح کے غصّے کو بھڑکایا ہو گا کیونکہ انہوں نے تو یہ دعویٰ کیا ہوا ہے کہ گویا وہ آپ ہی مسیح ہیں - ایسی رقیب و حریف پر یسوع کی خدائی کا غصّہ بے تحاشا بھڑک اُٹھنا چاہیئے - کیا عیسائی لوگ اسبات کو دیکھ کر حضرت ممدوح کے دعوے کی تصدیق سے ابھی متأمل ہیں کہ جو شخص انکے برخلاف دعا کرنے اُٹھا وہی اُلٹا غضب الٰہی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوا - ہاں اگر عیسائیوں کو اس بات کا یقین نہیں آتا تو یقین حاصل کرنا کچھ دور نہیں وہ آپ ہی اس میدان میں آکر امتحان کر لیں - دو چار مشنری صاحبان کے امتحان کرنیسے ہی معاملہ صاف ہو جائیگا - مشنری لوگ خود بھی بڑی جرأت رکھنے کے مدعی ہیں اور لوگوں میں بھی انکی بہادری کی شہرت قایم ہے کہ اپنے دین کی خاطر جان قربان کر دینا وہ ایک آسان بات سمجھتے ہیں - لیکن ہم نے تو انکو اس میدان امتحان میں بُزدل تو کیا

چوزہ دل یعنی مرغی کے بچہ کے برابر بھی دل رکھنے والے نہیں پایا۔ اگر وہ جرأت رکھتے ہیں تو کیا اتنے بڑے مشنریوں میں سے کوئی بھی اپنے مذہب کے لیے اتنی غیرت نہیں رکھتا کہ وہ میرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ مقابلہ مباہلہ کر کے اس شخص کو جسے وہ دروغ گو سمجھتا ہے گھر تک پہنچانیکے لیے میدان میں نکلے۔ یسوع نے انہیں کہا ہوا ہے کہ جھوٹے نبی بُرے درخت کی طرح کاٹے جائیں گے۔ اگر انہیں یسوع کے صدق پر ایمان ہے اور اگر انہیں یسوع کی باتوں پر ایمان ہے اور اگر حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو دل سے وہ جھوٹا نبی سمجھتے ہیں اور اسپر انکا ایمان ہے تو انہیں کیوں جرأت پیدا نہیں ہوتی کہ اس قضیہ کا دعا کے مقابلہ سے فیصلہ کر چھوڑیں۔ کیا انہیں یسوع کی طرف سے کوئی بے اعتباری دل میں کھٹکتی ہے؟ کیا انکو یہ بھروسہ نہیں کہ ایک جھوٹے مدعی کے برخلاف یسوع انکی دستگیری کریگا؟ اس کنارہ کشی اور خاموشی سے یہی حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ عیسائی لوگ دل میں خوب جانتے ہیں کہ میرزا غلام احمد صاحب کا خدا غالب اور زبردست خدا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں یسوع ایک ناتوان اور ضعیف انسان ہے۔ یہ کیسی تعجب کی بات ہو کہ جھوٹے نبی کی تباہی کی بائبل پیشگوئی کرتی ہے۔ اور میرزا غلام احمد صاحب پیشگوئی کرتے ہیں کہ جو شخص انکے ساتھ مباہلہ کریگا ہلاک ہوگا۔ الغرض اگر وہ معیار جو یسوع اور موسیٰ نے بتایا ہوا ہے سچا ہے تو اسمیں کچھ شک نہیں رہتا کہ میرزا غلام احمد صاحب بھی خدا کی طرف سے سچے مرسل ہیں۔ عیسائی لوگوں کو اس بات سے شرم کرنی چاہیئے کہ وہ اس عظیم الشان دعوے کو یوں ہی خفیف سی بات کہکر ٹال دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ یسوع نے کہا ہوا ہے کہ بتیرے جھوٹے نبی اُٹھیں گے۔ اس لیے یہ بھی اسی طرح کا جھوٹا نبی ہے۔ اس سے تو یہی سمجھ آسکتا ہے کہ حضرت میرزا صاحب ممدوح کے دعوے کے زبردست صدق کے برخلاف انکے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں اس لیے اس لایعنی بات پر حصر کرکے جاہلوں کو تسلّی دے چھوڑتے ہیں۔ بحالات موجودہ بالا حضرت ممدوح کے صادق و مصدوق نبی ہونے میں ذرا بھر شک نہیں رہتا۔ پس جبکہ ہر ایک پہلو سے انکا نبوت کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انہیں مسیح موعودؑ تسلیم نہ کیا جاوے۔ یہ ایک احمقانہ عذر ہے کہ یہ وہ مسیح نہیں جو ناصرہ میں اُنیس سو سال (۱۹۰۰) پہلے پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ کسی کے دوبارہ نزول سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہی شخص بجسمہ دوبارہ آئیگا۔ اس قسم کی باتیں ہمیشہ پیشگوئی کے رنگ میں ہوتی ہیں اور انکی تعبیر یہی ہوتی ہے کہ کوئی شخص اسکا بروز آئیگا جسکو اسکے ساتھ روحانی اور اخلاقی مناسبت اور مشابہت ہوگی یہ مسئلہ عیسائیوں میں بھی پہلے ہی سے طے شدہ ہے اور یسوع کی صداقت اسی پر منحصر ہے۔ بنی اسرائیل کا اعتقاد تھا کہ یسوع مسیح سے پہلے ایلیا کا دوبارہ نازل ہونا ضروری ہے۔ جب تک ایلیا پہلے نہیں آئیگا اسوقت تک مسیح کا آنا ناممکن ہے۔ پس جب یسوع نے آکر دعویٰ کیا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ چونکہ ابھی ایلیا نازل نہیں ہوا اس لیے تُو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ اسپر یسوع نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک پیشگوئی تھی اور اسکی تعبیر یہ نہیں ہو سکتی کہ وہی ایلیا بجسمہ نازل ہوگا بلکہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ اسکے روحانی رنگ اور اخلاق پر اسکا بروز یوحنا بپتسمہ دینے والا یعنی حضرت یحییٰ نازل ہو چکے ہیں۔ پس اگر دوبارہ نزول کے معنے اسی شخص کا

دوبارہ آنا ہے تو پھر نہ حضرت یحییٰ ایلیا ہو سکتے ہیں۔ اور نہ یسوع ہی سچا قرار پا سکتا ہے یہی جسمانی رفع اور نزول ثانی کا مقدمہ دنیا میں ایک دفعہ جناب یسوع مسیح کے ہاں سے فیصلہ پا چکا ہے جس کے رو سے آپنے حضرت یحییٰ کے نزول کو ایلیا موعود کا نزول قرار دیا۔ ایک طرف یہودی اس فیصلہ کے منکر اور دوسری طرف جناب یسوع اس فیصلہ کے جج دو فریق ہیں۔ اب مَیں عیسائی صاحبان سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ان دونوں میں سے وہ کس فریق کو سچّا سمجھتے ہیں؟ اگر یہودیوں کو سچّا سمجھا جائے تو پھر نہ ابھی تک ایلیا موعود نازل ہوا ہے اور نہ یسوع مسیح ہی آیا ہے۔ جس شخص نے یسوع مسیح بننے کا دعویٰ کیا وہ کذاب بلکہ اکذب قرار پاتا ہے۔ مسیح کے آنیکے لیے پہلے ایلیا کے آنیکی انتظاری کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر حضرت مسیح سچے ہیں اور انکا فیصلہ صحیح اور واجب العمل ہے تو عیسائی پابند ہیں کہ وہ طوعاً وکرہاً اسبات پر ایمان لائیں کہ کسی شخص کے دوبارہ نزول سے مراد اسکا بروز ہوتا ہے جو اسکے رنگ و اخلاق پر نازل ہوتا ہے۔ ہائے افسوس! آج عیسائی بھی یہودی ہو گئے اور انکے نقش قدم پر چلکر حق سے آنکھیں بندکر کے مسیح موعود کا اسی بنا پر انکار کرنے لگ گئے کہ دوبارہ نزول مسیح سے مراد اسی مسیح کا آنا ہے۔ جیسا یہودیوں میں دوبارہ نزول ایلیا سے مراد اُسی ایلیا کا آنا سمجھا جاتا تھا۔ اور جسکو یسوع مسیح نے غلط اور باطل قرار دیا۔ عیسائیوں نے بھی وہی راہ اختیار کر لی ہے کہ جس نے یہودیوں کو سیدھے جہنّم میں ڈالا تھا۔ اور وہ راہ حق جو یسوع مسیح نے بیان کی تھی اسپر عمل نہیں کرتے۔

بعض عیسائی صاحبان یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ چونکہ یسوع مسیح خدا تھا اس لیے اسکے دوبارہ نزول سے مراد کوئی انسان نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا کا بروز انسان ناممکن ہے۔ لیکن یہ کوئی دلیل نہیں۔ یسوع کی خدائی کوئی مسلمہ حقیقت نہیں اسلیے معقولات میں اسکو بنائے ثبوت نہیں شمار کیا جاسکتا۔ اس بات کا کہیں کوئی ثبوت نہیں کہ وہ خدا تھا۔ اس میں خدائی قدرت تو درکنار بعض انسانوں کے برابر بھی خارق عادت اور اعجازی طاقت ظاہر نہیں ہوتی۔ اگر وہ ہمارے نبی کریم صلعم سے آدھی کامیابی بھی حاصل کر دکھاتا۔ اور اپنے اصحاب میں ان سے آدھی روحانی قوّت نفخ کر دکھاتا اور انکی طرح اپنے دشمنوں پر غالب ہو دکھاتا۔ تو پھر بھی خدائی کے لیے کوئی جھوٹ موٹ کا بہانہ مل جاتا۔ لیکن یہاں تو سارے حالات ہی اُلٹے ہیں۔ اس میں اگر کچھ روحانیت تھی تو وہ ایسی کمزور کہ اُس کے مریدوں میں کچھ بھی اسکا اثر نہ ہو سکا۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے دشمنوں پر فتح پاتا وہ خود ہی مغلوب اور محروم ثابت ہوا۔ کیا وہ شخص جس کی اپنی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ اسکے بڑے مقرب اور مخلص حواری ذرا سی طمع اور دکھ کی حالت میں تیس روپے کی رقم پر ایسے پھسل گئے کہ اسکو گرفتار کرا دیا۔ کیا ایسا عاجز انسان جو دُکھ کے وقت خدا کو ایلی ایلی لما سبقتنی کہکر پکارتا رہا۔ ایسا کم طاقت اور عاجز انسان خدا ہو سکتا ہے؟ اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں یسوع آدھا بلکہ اس سے بھی تھوڑا کامیاب ہو کر دکھا جاتا تو عیسائیوں کی مفروضہ مثلث خدائی کا کوئی جزو نہ کھے جانے کے لیے اسکے حق میں کوئی وجہ ہو سکتی تھی۔ لیکن کہاں یسوع اور کہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وسلم اگر یسوع جیسا کمزور انسان خدا ہو سکتا ہے تو اُس شہ زور مظہر انوار نامتناہی۔ صدر بزم آسمان۔ حجۃ اللہ رسول صلعم کو کیا مرتبہ دیا جانا چاہیئے۔ جس کی مدح انسان کے احاطہ ہمت سے باہر ہے۔

چوں زمن آید ثنائے سرور عالی تبار + عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو دار + آں عنایتہا کہ محبوب ازل دارد بدو + کس بخوابے ہم ندیدہ مثل آں اندر دیار + سرور خاصان حق شاہ گروہ عاشقاں + آنکہ روحش کرد طے ہر منزل وصل نگار + آں مبارک پے کہ آمد ذات با آیات اور رحمتے زاں ذات عالم پرور و پروردگار + آنکہ دارد قرب خاص اندر جناب پاک حق + آنکہ شان او نفہمد کس زخاصان دیار + از ہمہ چیزے فزوں تر در ہمہ نوع کمال + آسمانہا پیش اوج ہمت او ذرہ وار + (حضرت مسیح موعودؑ)

خدا بننے کی قدرت نمائی تو خیر یسوع کو تو عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق خدائی تائید بھی نصیب نہیں ہوئی۔ ایسے شخص کو خدا بنانا کتنی جہالت کا کام ہے کہ جسکو تھوڑے سے یہودیوں نے پکڑ کر نہایت ذلت کے ساتھ جابجا گھسیٹا اور آخر کار صلیب پر چڑھا کر بقول عیسائیوں کے مار دیا۔ ایسا بیکس انسان جسپر یہودیوں نے تھوکا خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسی کفر کی بات ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ خداوند قادر مطلق نے ایسا شرمناک عاجز ہو کر یہودیوں کے ہاتھ سے ایسی ذلت گوارا کر لی۔ وہ کیسا خدا ہے! جسے یہودی کھینچتے اور مارتے اور مُنہ پر تھوکتے ہیں۔ وہ کیسا خدا ہے! جسکو یہودی طرح طرح کی عقوبتوں سے دار پر کھینچتے اور بقول عیسائیان واصل جہنم کر دیتے ہیں۔ ایسے بیہودہ خیالات سے انسانی عقل کوسوں بھاگتی ہے۔ اے عیسائی صاحبان کیا آپ کا وہی خدا تھا جسکو اُس یہودی قوم نے جو دنیا میں ایک بیکس قوم ہے اور جسکو آپ لوگ کُتّوں کی طرح سمجھتے اور سلوک کرتے ہیں دار پر (بقول آپکے) قتل کیا تھا؟ کیا عیسائیوں کو ایسا خدا رکھنے سے شرم نہیں آتی؟ الغرض یسوع میں نہ کوئی خدائی قدرت نظر آتی ہے اور نہ وہ خدا ہو سکتا ہے۔ البتہ چاروں طرف سے عاجز آکر بعض وقت عیسائی لوگ یسوع کے معجزات اسکی خدائی کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کر دیتے ہیں۔ اول تو یہ معجزات ایسے ہیں کہ جن کے وقوع کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ اُس سے یہ معجزات ظاہر ہوئے بھی تھے تو بھی اُسکی خدائی کی دلیل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی بہت نبیوں نے ایسے ہی معجزات دکھائے۔ اگر یسوع کو چند ایسے معجزات کی بنا پر خدا ماننا جائز ہے تو وہ تمام لوگ جن سے ایسے ہی معجزات صادر ہوئے اس خطاب کے کیوں مستحق نہ سمجھے جاویں؟

ایڈیٹر صاحب "اگزیمنر" یہ بھی فرماتے ہیں کہ یسوع کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ آسمان سے دوبارہ اُترے تو بڑے جاہ و جلال کے ساتھ نازل ہو اور فرشتوں کا لشکر اسکے ہمراہ ہو اور کرنا ساتھ پھونکی جا رہی ہو۔ یہ ایڈیٹر صاحب کی روشن دماغی کا نتیجہ ہے۔ یہ وہ روشنی کا زمانہ ہے کہ ساری دنیا نے معقولات میں بہت ترقی کر لی ہوئی ہے لیکن یہ بدنصیبی صرف بعض انجیلی واعظوں کے حصہ میں آئی ہوئی ہے کہ ان کے دماغوں میں اس روشنی نے ذرا دخل نہیں پایا۔ کیسا جھولانہ خیال ہے کہ ان باتوں کا جسمانی ظہور مانا جائے کہ یسوع آسمانوں سے اُتریگا۔ بادلوں کے پردہ پھر

سوار ہوگا۔ اور کرنا بجانیوالوں اور فرشتوں کا لشکر اسکے ساتھ ہم رکاب اُڑتا ہوا چلا آرہا سب کو دکھائی دیگا۔ اگر یہی بات صحیح ہے تو بھلا آسمان پر کیوں اس جلال کے ساتھ نہ چڑھا؟ کیوں اس نے اس بات کو گوارا کیا کہ اسکا آسمان پر چڑھنا ایسے مستور اور مخفی طور پر ہو کہ اوروں کو تو کہیں رہا اپنے شاگردوں کو بھی پتہ نہ لگے؟ کیا آسمان پر چڑھتے وقت بھی اس کو یہی ڈر تھا کہ یہودی اُسے پکڑ کر آسمان کے دروازوں سے نیچے کھینچ لاویں گے اور پھر صلیب پر کھینچ دینگے؟ کیونکہ وہ آسمان پر سیدھا تمام لوگوں کی نظروں کے سامنے نہ چڑھا؟ بیشک یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ بیسویں صدی کے سے اتنے معقول اور روشنی کے زمانہ میں بھی ایسے عیسائی موجود ہیں جو ابھی تک آسمان کی طرف آنکھیں اُٹھائے کھڑے تاک رہے ہیں کہ اب انکا یسوع بادلوں پر سوار فرشتوں اور کرنا بجانیوالوں کی فوج کو ساتھ لیے آسمان سے اُترتا ہے۔

عیسائی نرے وہم پرستی کی بلا میں ہی گرفتار نہیں بلکہ ضعف ایمانی کی وجہ سے سریع الاعتقادی میں بھی ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ تو مسلم الثبوت بات ہے کہ انجیل نویسوں نے یسوع مسیح کے اصل الفاظ کو انجیلوں میں نقل نہیں کیا اور اس بات پر کوئی دلیل کسی پایہ کی موجود نہیں کہ جس کے زور پر یہ امر مانا جائے کہ موجودہ انجیلوں میں یسوع مسیح کے کلمات جیسے کہ اسکے مُنہ سے نکلے تھے بلا کم و کاست محفوظ طور پر درج ہیں انجیلیں یسوع سے بہت عرصہ بعد لکھی گئی تھیں اور کوئی معقول انسان یہ یقین نہیں کرسکتا کہ انکی عبارتیں یسوع کے مُنہ کا کلام بلا کم و کاست ہے۔ اور اگر بفرض محال مانا بھی جائے کہ مسیح کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی ٹھیک انہیں الفاظ میں لکھی گئی ہے جو یسوع نے کہے تھے تو بھی عیسائیوں کی غلطی ہے کہ وہ اس پیشگوئی کے لفظاً لفظاً پورا ہونیکے منتظر ہو رہے ہیں۔ اگر یہی بات صحیح ہے تو بتائیں کہ یسوع کا یہودیوں نے کیوں انکار کیا؟ یہی مصیبت تو اُنپر بھی پڑی تھی کہ وہ مسیح کے آنیکی پیشگوئی کے لفظی طور پر پورا ہونیکی انتظار میں تھے۔ انکی کتابوں میں یہ پیشگوئی تھی کہ وہ ایک بادشاہ ہوگا۔ اور داؤد کے تخت کا وارث ہوگا۔ لیکن یسوع جس نے مسیح ہونیکا دعویٰ کیا وہ اُن کے سامنے ایک مسکنت کے لباس میں آیا۔ پس وہ اُس کے منکر ہوگئے اور اُس سے نفرت کی۔ اسی طرح یہودی لوگ ایلیا کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی کو بھی لفظی طور پر پورا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ اور جب یسوع نے انہیں سمجھایا کہ دراصل اس سے مراد ایلیا کا ایک بروز ہے جو اس کے اخلاق اور روحانی قوتیں لے کر آئیگا۔ تو انہوں نے یسوع کی اس تعبیر کو رد کیا۔ اور جھوٹ سمجھا۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ پیشگوئی کے ظاہر الفاظ کے ساتھ یہ تعبیر نہیں ملتی۔ پس صرف اس پیشگوئی کے لفظی پورا ہونیکی انتظار ہی نے انہیں یسوع کا منکر بنا دیا۔ جناب یسوع صاحب نے یہ مسئلہ حل کر کے عیسائیوں کے لیے ایک سبق چھوڑا تھا کہ وہ یہودیوں کی طرح اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔ بلکہ ان کی حالت سے عبرت پکڑیں۔ لیکن کیسے افسوس کی بات ہے کہ انہوں نے اپنے استاد کی باتوں سے کچھ فایدہ نہیں اُٹھایا۔ اور نہ ہی یہودیوں کی مثال سے کچھ عبرت حاصل کی ہے۔ اب جب انکی نوبت آئی ہے تو وہ بھی یہودیوں کی طرح مسیح موعود کو

ماننے سے اسی وجہ پر انکار کرتے ہیں کہ وہ آسمان سے بادلوں کی سواری پر فرشتوں اور کرنا بجانیوالوں کی فوج کو ساتھ لیے نازل نہیں ہوا۔

عیسائی صاحبان کو سمجھنا چاہیئے کہ ایسی پیشگوئیوں میں روحانی امور ہوتے ہیں اور انکے ظاہری الفاظ کے موافق ظہور کا انتظار کرنا سخت غلطی ہوتی ہے۔ اسی پیشگوئی کے دوسرے حصوں سے واضح ہو رہا ہے کہ مسیح کا دوبارہ نزول اس طریق میں نہیں ہوگا جیسا عیسائیوں کو خیال لگا ہوا ہے نہ وہ بادلوں پر سوار آسمان سے نازل ہوگا اور نہ کوئی ایسا فرشتوں کا لشکر اُسکے ساتھ ہوگا جس کو مادّی نظر سے لوگ دیکھ سکیں اور نہ ہی کرنا کی آوازیں ایسے محسوس طور پر سنائی دینگی۔ متی ۲۴ باب ۴۳ میں یسوع نے مسیح کے دوبارہ نزول کی نسبت کہا ہے کہ "یہ آنا رات کے وقت چور کی طرح ہوگا" اس سے ظاہر ہے کہ وہ نہ روز روشن میں آئیگا اور نہ کرناؤں کی آوازوں اور فرشتوں کے گیتوں کے ساتھ آئیگا۔ بلکہ وہ چور کے بھیس میں آئیگا اور اسکو وہی لوگ شناخت کریں گے جو بیدار رہیں گے۔ مسیح کا دوبارہ نزول بھی پہلے نزول کی طرح غیر مترقبہ یعنی اچانک ہوگا۔ اے ہمارے خداوند جو تُو زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے ہم تیرا کس زبان سے شکر ادا کریں کہ تُو نے ان حقایق سے ان لوگوں کو محروم رکھا جو دنیا کے دانا اور عقلمند لوگ ہیں، اور اُن لوگوں پر یہ اسرار منکشف فرمائے جو انکے سامنے ابھی بچے ہی ہیں۔ اے خداوند تُو نے مسیح کو نازل فرما دیا لیکن حیف فقیہوں اور فریسیوں پر کہ انہوں نے اسکو نہیں دیکھا اور نہیں پہچانا۔ پر اُن لوگوں نے اُسے دیکھ لیا اور پہچان لیا جو بچوں کی طرح ہیں اور وہ تیرے فضل سے بہت خوش ہو رہے ہیں کہ اس برات کا دُلہا اُن کے بیچ ہے۔

انجیلوں کے مطالعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کا دوبارہ نزول نہ صرف اچانک ہوگا بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کسی مشرقی سرزمین پر مبعوث ہوگا۔ چنانچہ متی ۲۴ میں لکھا ہے کہ "کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوند کے پچھم تک چمکتی ویسا ہی ابن آدم کا آنا بھی ہوگا۔ کیونکہ جہاں مردار ہو وہاں گدھ بھی جمع ہوں گے۔" اس آیت میں صاف لکھا ہوا ہے کہ مسیح کسی مشرقی ملک میں نازل ہوگا۔ مردار اور گدھوں کا ذکر کرکے یسوع نے ہمیں اس نزول کی اس ملک میں وجہ بتائی ہے۔ یعنی جن نقصوں اور خرابیوں کی اصلاح کے لیے مسیح کا آنا مقدر ہے وہ خرابیاں خصوصیت کے ساتھ اُس مشرقی ملک میں جمع ہونگی۔ اور اس لیے وہ اُسی مشرقی علاقہ میں نازل ہوگا۔ کیونکہ جہاں مردار ہے وہاں پر ہی گدھیں جمع ہونگی۔ دراصل مردار سے مراد دجّال ہے۔ اور مسیح موعودؑ کی بعثت کی علّت غائی یہی ہے کہ وہ دجّال کے فتن کو تباہ کرے۔ اور ہم نے ریویو آف ریلیجنز جلد ۴ نمبر ۱۱ میں ایک مضمون میں ثابت کر دکھایا ہے کہ دجّال کی پیشگوئی کا صحیح مصداق وہی پادری صاحبان ہیں جو تثلیث اور کفارہ کے عقاید کو پھیلا رہے ہیں۔ مسیح موعودؑ اس مشرقی سرزمین میں نازل ہوا ہے اور جیسے بجلی مشرق سے کوند کے مغرب پر چمکتی ہے

اسی طرح اُس کے نزول کی خوشخبری زمانہ حال کے سریع خبر رسانی کے ذرایع سے مشرق سے مغربی دنیا میں پہنچ رہی ہے۔
مشرق ہی سے مغرب میں مسیح موعودؑ کے نزول کی خبریں سُنی جا رہی ہیں۔ مسیح کے مشرق میں نزول کا مزید ثبوت
یسعیاہ باب ۴۱/۲ میں بھی ملتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ "کس نے اُس راستباز کو پورب کی طرف برپا کیا" یہ کلمات یسوع کے
کلام کی تائید کر رہے ہیں کہ وہ موعودؑ پورب میں مبعوث ہوگا۔ معلوم نہیں کہ عیسائی صاحبان کب اپنے آپ کو اس دھوکہ
سے نکالیں گے اور بائبل کے منشاء کو سمجھکر اسپر عمل کریں گے؟ انہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ مسیح کے نزول کیلیے
آسمان کی طرف بادلوں کو پڑے تاکیں۔ کیونکہ وہ تو آسمان پر گیا ہی نہیں۔ وہ تو صلیب پر مرا ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ مسیح کا
صلیب پر مرنیکا ثبوت ہی اسکے آسمان پر جانیکا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے لیکن اسکے اپنے کلام سے ثابت ہے کہ وہ صلیب پر سے
زندہ اُتارا گیا۔ اُس نے کہا کہ اِن حرامکار لوگوں کو سوائے یونس نبی کے معجزہ کے کوئی دوسرا نشان نہیں دکھایا جائیگا۔
جیسے یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا ویسے ہی ابن آدم بھی قبر کے شکم میں زندہ رہا۔ اناجیل گواہ ہیں کہ خدا نے پلاطوس
کی عورت کی طرف ایک فرشتہ ارسال کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کا ارادہ مسیح کو بچانیکا تھا جب خدا کسی غرض کیلیے
ملائکہ کو نازل فرماتا ہے تو یہ اُس غرض کے پورا ہونے پر یقینی دلیل ہوتی ہے۔ مقدس تواریخ میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں
ملے گا کہ جس میں وہ امر جس کے لیے خدا نے کبھی فرشتہ نازل فرمایا پورا نہ ہوا ثابت ہو پھر ماسوا اس کے یسوع اس مصیبت سے
نجات پانیکے لیے بہت رو رو کر بڑے اضطراب قلب کے ساتھ دعائیں کرتا رہا جیساکہ عبرانیوں ۵/۷ سے ظاہر ہے۔ "اُسی نے
اپنے مجسم ہونیکے دنوں میں بہت رو رو کر اور آنسو بہا بہا کر اُس سے جو موت سے بچا سکتا تھا دعائیں اور منتیں کیں۔ اور
تحمل کے سبب اُس کی سُنی گئی" اور ضرور تھا کہ اُس کی دعا سُنی جاوے چنانچہ اس کی قبولیت بھی نہ صرف اسی آیت کے
آخری جملہ سے ظاہر ہوتی ہے بلکہ زبور ۲۰/۶ "اب میں جانتا ہوں کہ خداوند اپنے مسیح کا چھڑانے والا ہے۔ وہ اپنی دہنے
ہاتھ کی نجات دینے والے زور سے اپنے مقدس آسمان پر سے اس کی سُنے گا" اور نیز زبور ۲۲ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح
کے ایسے ابتلا کے وقت کی دردمندانہ دعا سُنی گئی۔ مسیح کی دعا یہی تھی کہ وہ موت کا پیالہ جو یہودی لوگ اُس کو صلیب پر
چڑھا کر پلانا چاہتے تھے اُس سے ٹالا جاوے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنی باریک حکمتوں سے اُس پیالہ موت کو اس سے
ٹالدیا اور اس کو صلیب پر سے زندہ اُتروالیا۔ مسیح کی دعا صرف اتنی ہی تھی اگر وہ یہ دعا کرتا کہ صلیب پر ہی نہ چڑھایا
جاؤں اور یہودیوں کے پنجے میں گرفتاری سے بچوں تو یہ بھی پوری ہوتی لیکن جتنی دعا اس نے کی اُتنی تو پوری
ہوگئی۔ اس بات کی کافی شہادت موجود ہے کہ مسیح کی دعا کے موافق خدا نے اُسکو دشمنوں کے ہاتھ سے نجات دیدی۔
ایک ایسے آدمی کی نسبت جسکو کسی نے مردہ سمجھ لیا اور وہ بعد میں زندہ نکلا آپ کیا خیال کر سکتے ہیں؟ سلیم العقل انسان
تو یہی سمجھیں گے کہ وہ زندہ ہی تھا مردہ نہ تھا۔ لیکن مسیح کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔ تمام واقعات جو اس کے
صلیب پر سے اُتارے جانیکے متعلق انہیں عیسائیوں کی دست مالیدہ اناجیل میں موجود ہیں وہ سب مسیح کے صلیب سے

زندہ اُتارے جانیکے گواہ اور دلایل ہیں۔ (۱) پلاطوس چاہتا تھا کہ یسوع کو چھوڑ دے کیونکہ وہ سمجھ گیا کہ انہوں نے اسے ڈاہ سے حوالہ کیا (دیکھو متی ۲۷/۱۷-۱۸) (۲) خدا تعالیٰ نے خوفناک رؤیا میں پلاطوس کی جورو کو جتا دیا کہ وہ اپنے خاوند کو مسیح کو عذاب دینے سے روکے چنانچہ متی ۲۷/۱۹ میں لکھا ہے کہ "جب وہ مسند پر بیٹھا اس کی جورو نے اُسے کہلا بھیجا کہ تُو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ مَیں نے آج خواب میں اس کے سبب بہت تصدیع پائی" (۳) اس کے بعد بھی پلاطوس نے ہرچند یہودیوں کو مسیح کے چھوڑنے پر راضی کرنیکی کوشش کی جو متی ۲۷/۲۱-۲۴ سے ثابت ہے۔ آخر "پانی لیکے بھیڑ کے آگے اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا مَیں اس راستباز کے خون سے پاک ہوا۔ تم جانو" (متی ۲۷/۲۵) اس سے صاف ظاہر ہے کہ پلاطوس کے دلمیں اُسکی راستبازی کی عظمت تھی اور وہ اسکے دُکھ کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ (۴) متی ۲۷/۴۲-۴۴ میں چوروں اور فقیہوں کا مسیح کو ٹھٹھا مارنا اور اسکا خدا پر بھروسہ رکھنا وغیرہ اسکو بچانیکے لیے الٰہی غیرت کو جوش دلانیکا ایک ذریعہ ہے۔ اور اس حالت میں ایک راستباز کا بچایا جانا ضروری ٹھہرتا ہے۔ (۵) مسیح کا ایلی ایلی لما سبقتنی دعا کرنا اور اسکا قبول ہونا جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ (۶) پلاطوس کا مسیح کو صلیب دیے جانا اُسوقت تک معلق کرنا کہ سبت قریب آپہنچے۔ تاکہ اس حیلہ سے یہودیوں کی اشک شوئی بھی ہو جائے اور اسکو بچا بھی لیا جائے۔ چنانچہ جمعہ کے روز ایسے وقت میں اسکو صلیب پہ چڑھایا گیا کہ جس کے تین گھنٹہ بعد سبت شروع ہو جانیکی وجہ سے اُسکو صلیب سے اُتارنا پڑا۔ (۷) سپاہیوں نے آکے پہلے اور دوسرے کی ٹانگیں جو اسکے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے توڑیں۔ لیکن یسوع کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ (دیکھو یوحنا ۱۹/۳۲) ظاہر ہے کہ نرے صلیب پر دو تین گھنٹے رہنے سے انسان مر نہیں جاتا۔ کیونکہ صلیب کے کیل کسی ایسے اعضائے رئیسہ میں نہیں لگائے جاتے تھے جنپر زندگی کا مدار ہوتا ہے۔ صرف ہاتھوں اور پاؤں ہیں کیل لگائے جاتے تھے۔ اس لیے ضرور ہوتا تھا کہ کم از کم تین دن تک مجرم صلیب پر لٹکا رہے۔ لیکن ان تین دنوں میں بھی وہ مرتا نہ تھا۔ جان سے مارنیکے لیے جب اُتارتے تو اسکی پیٹھ یعنی صلب کی ہڈی اور ٹانگیں توڑتے تھے۔ چونکہ اصل علت غائی (یعنی مجرم کا مار دینا) صلب کی ہڈی توڑنے سے حاصل ہوتی تھی اس لیے اسیوجہ پر اسکا نام بھی صلیب رکھا گیا۔ مسیح تین گھنٹے کے اندر ہی صلیب سے اُتار لیا گیا اور اسکی کوئی ہڈی بھی نہ توڑی گئی۔ (۸) اس غشی کی حالت میں ایک نے بھالے سے اسکی پسلی چھیدی تو فی الفور اس سے لہو اور پانی نکلا۔ یہ امر طبی طور پر کئی دفعہ ثابت ہو چکا ہے کہ مُردہ میں لہو اور پانی کا اسطرح نکلنا ناممکن محض ہے۔ جب صلیب سے اُتارے جانیکے بعد اسکے بدن میں زخم کرنے سے خون اور پانی کا جاری ہونا ثابت ہے تو کیونکر مانا جا سکتا ہے کہ وہ مر گیا تھا۔ پھر لُطف یہ ہے کہ یوحنا ۹/۳۵ میں جہاں اسکا ذکر ہے وہاں بڑے زور سے لکھا ہے کہ اس واقعہ کی زبردست شہادت موجود ہے۔ گویا یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جسکی تائید کی شہادت انجیل میں ملتی ہے۔ جو کسی دوسرے امر اس کے مخالف کے لیے نہیں ملتی۔ (۹) صلیب سے اُتاری جانیکے بعد یسوع کو یوسف ارمتیا کے حوالہ کرنا۔ اور یوسف ارمتیا کا یسوع کا شاگرد ہونا اور اسکا پلاطوس سے درخواست

یہودیوں سے پوشیدہ کرنا۔ اور عود اور مُر لگانا۔ اور ایسے باریک کپڑے میں لپیٹنا کہ سانس نہ رُکے۔ اور ایک نئے تہ خانہ میں اسکو رکھنا وغیرہ۔ یہ سب ایسے صریح ثبوت اور قرائن غالب ہیں کہ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح صلیب سے زندہ اُتارا گیا تھا۔ اور زندہ ہی ایک تہ خانہ میں رکھا گیا تھا۔ اور چونکہ یہودی لوگوں کا اُن دنوں بہت غلبہ تھا یہانتک کہ حاکم وقت بھی انکی منصوبہ بازیوں سے ڈرتے تھے جیساکہ پلاطوس کے واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور وہ مسیح کے ایسے خطرناک جانی دشمن تھے کہ ہرگز اسکو زندہ دیکھنا ہی نہ چاہتے تھے اس لیے مسیح کے خیرخواہوں نے جو یہودیوں سے بہت خائف ہو رہے تھے اسی بات کو پسند کیا کہ حکمت عملی سے مسیح کی جان بچالیں۔ اور ظاہر طور پر یہودیوں کے جوش و غضب سے بچنے کے لیے یہ مشہور کر رکھیں کہ گویا وہ مر گیا ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں زندہ ہی صلیب سے اُتارا گیا۔ زندہ ہی رکھا گیا۔ زندہ ہی تہ خانہ میں رہا۔ اور وہاں سے نکلکر اسکے گلیل کے سفر کے واقعات بھی اس کے زندہ رہنے کا مزید ثبوت ہیں۔ ایام تحقیقات میں یہودیوں نے اُسکو پیٹ بھر کھانا نہ دیا۔ وہ بھوک اور غم کے مارے کمزور ہوتا گیا اور اس کمزوری کے افاقہ پانیکے لیے عطریات اور عمدہ غذائیں ایک پُر فضا باغ کے نئے کمرے میں اسکے لیے مہیا کی گئیں۔ پھر جب ذرا طاقت پائی اور چلنے کے قابل ہوا تو یہی مناسب سمجھا کہ وہاں سے کسی طرح بھاگ جاوے۔ آخر ایک باغبان کے بھیس میں یروشلم سے بھاگ کر جلیل کی راہ لی۔ جلیل یروشلم سے قریباً ایک سَو میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور یسوع مسیح نے پاپیادہ ہی وہاں تک سفر کیا۔ کئی دفعہ حواریوں سے ملکر کھانا اور مچھلی کھائی۔ مچھلی کا شکار کیا اپنے زخم اپنے حواریوں کو دکھائے۔ اور اچھی طرح سے دکھائے۔ یہ سارے واقعات اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی شبہ نہیں چھوڑتے کہ وہ صلیب سے زندہ اُتارا گیا۔ اور زندہ ہی رہا۔ مسیح کا صلیب سے زندہ اُتارا جانا صرف انہیں امور سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اور بھی بہت سی باتیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں۔

اگر یہ مانا جاوے کہ وہ صلیب پر مر گیا تو اسکے معنے یہ ہونگے کہ وہ راستباز نہ تھا۔ ایک شخص جو نبوت کا مدعی ہو اور وہ صرف تین سال نبی رہ کر نہایت ناکامی سے دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر مارا جاوے۔ کسی کی ایسے شخص کے متعلق خواہ کچھ ہی رائے کیوں نہ ہو۔ لیکن کتاب استثنا $\frac{18}{22}$ کے رو سے تو وہ کذاب اور مفتری علی اللہ ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ خود یسوع نے بھی اسی کے ہمرنگ تعلیم دی ہوئی ہے کہ جھوٹا نبی مارا جاتا ہے یہاں تو صرف مارا جانا ہی نہیں مانا جاتا بلکہ صلیب پر مارا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بائبل کی رو سے جو کاٹھ (صلیب) پر مارا جاتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے۔ اگر یسوع کا صلیب پر مرنا تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا ضروری ہوگا کہ وہ لعنتی موت سے مرا۔ لیکن عیسائی لوگ اُسے لعنتی سمجھنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ اور غور نہیں کرتے کہ لعنت کا مفہوم کیسا بُرا ہے۔ لعنت اگرچہ چار حرف کا ایک لفظ ہے جو بآسانی ہونٹوں سے نکل سکتا ہے۔ لیکن اسکا صحیح مفہوم نہایت ہی خطرناک ہے۔ اگر عیسائی صاحبان اسکے مفہوم کو سمجھنا چاہیں تو وہ ایک ہی واقعہ سے اسکو سمجھ سکتے ہیں

کیا وہ اُس ایک کو نہیں جانتے جو ملعون ہوا تھا؟ اُسکو عام طور پر شیطان کہا جاتا ہے اور اُسکو ہی ملعون کہا گیا تھا شیطان کے حال کو دیکھکر ملعون کے مفہوم کو وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کسی کی نسبت یہ کہنا کہ وہ لعنتی ہوگیا ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ شیطان بن گیا ہے۔ وہ خدا کا دشمن ہوگیا ہے۔ اور خدا کے غضب میں ماخوذ ہوگیا ہے۔ مسیح کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنا کہ وہ گویا شیطان ہوگیا اور خدا کا دشمن ہوگیا اور خدا کے غضب میں گرفتار ہوگیا اور خدا سے دور اور خدا اس سے دور ہوگیا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟ ہم تو گمان نہیں کرسکتے کہ عیسائی لوگ اپنے آقا کی نسبت ایسی مفہوم کے پیدا ہونیکا اعتقاد رکھتے ہوں کہ وہ گویا شیطان ہوگیا تھا اگر یہ مانا جائے کہ وہ شیطان نہ ہوا تھا تو پھر ماننا پڑیگا کہ وہ لعنتی نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں۔ اور ایک ہی شئے کے وصفی نام ہیں۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ صلیب پر نہیں مرا۔ اس بات کو ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اور آسمان پر نہیں چڑھا تو پھر سوال ہوگا کہ باقی زندگی کے ایام اس نے کہاں بسر کیے۔ اگرچہ مسیح کی باقی زندگی کے حالات کے نہ معلوم ہونیکا یہ نتیجہ نہیں ہوسکتا کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا۔ کیونکہ دنیا میں اور بھی بہت لوگ ایسے گذرے ہیں جن کی نسبت یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہے اور کہاں مرے۔ اور اسوجہ سے اُنکا آسمان پر جانا نہیں مانا جاتا۔ لیکن مسیح کے گلیل میں پہنچکر حواریوں کو مختلف علاقوں میں روانہ کرنیکے بعد خود وہاں سے ہجرت کرنیکے بعد کے واقعات ایسے نہیں کہ دنیا کو معلوم نہ ہوں۔ البتہ یہ خدا کا فضل ہے کہ اس زمانہ میں وہ حالات بروئے کار آکر عیاں ہو رہے ہیں۔ اور بہت ساری نئی باتیں بھی طشت ازبام ہو رہی ہیں۔ مسیح کے صلیب پر مرنے اور زندہ آسمان پر چڑھنے اور کفارہ کے لیے لعنتی ہونے اور خدا بننے کے سخت کذب آمیز معتقدات کے مفاسد حدِ انتہائی کو پہنچ چکے ہیں۔

اب ارادہ الٰہی ہوگیا ہے کہ اس جھوٹ کو تباہ کردیوے۔ اور اس کے گزند سے خلق کو بچا دے۔ اسلیے اس نے وہ یقینی ثبوت عیاں کر دیے ہیں کہ جنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یسوع فی الحقیقت آسمان پر نہیں چڑھا تھا۔ ملک کشمیر کے دارالخلافہ شہر سری نگر کے محلہ خانیار میں ایک پرانی قبر موجود ہے جسکو "نبی صاحب" کی مزار "شہزادہ نبی" کی مزار "یوز آسف نبی" کی مزار بھی کہتے ہیں۔ اس کی نسبت یہ روایت مستند طور پر انہیں موجود ہے کہ وہ کسی مغربی ملک سے وہاں تشریف لائے تھے اور قریباً انیس سو (۱۹۰۰) برس سے انکی قبر وہاں موجود ہے۔ تاریخوں اور زبانی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ انپر ایک کتاب بھی نازل ہوئی تھی جس کو بشریٰ کہتے تھے۔ اب یہ لفظ بشریٰ عربی اور عبری زبانوں میں مشترک طور پر آتا ہے اور اس کے معنے انجیل یعنی خوشخبری کے ہیں اس بشریٰ میں اس نبی کی تعلیمات بھی لکھی ہوئی ہیں جو اکثر موجودہ اناجیل سے ملتی جلتی ہیں۔ یہ نبی جو انیس سو (۱۹۰۰) سال سے سری نگر میں مدفون ہے تمثیلوں میں باتیں کرتا تھا۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر تمثیلیں انجیلی تمثیلوں کے مشابہ ہیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ شہزادہ نبی یسوع کے سوا اور کسی نے کہلانا پسند نہیں کیا۔ اس لیے یہ وہی یسوع مسیح علیہ السلام ہیں۔ جس

ہیں- اور یہ گمان کرنا کہ یہاں کوئی ہندوؤں کا رشی منی دفن ہوگا غلط ہے کیونکہ وہ نبی کے نام سے موسوم ہیں اور یہاں نبی بدون اسرائیلی گھرانے کے دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ ہندوؤں کے بزرگوں کو نبی کے نام سے کبھی نہیں پکارا گیا- نبی تو زبان عربی اور عبری کا لفظ ہے۔ ہندوؤں میں اس کے ہم معنی اور الفاظ ہیں اور انکے بزرگ انہیں اسماء سے مشہور ہیں جو زبان سنسکرت میں آتے ہیں۔ باقی رہے مسلمان سو مسلمانوں کا ایک ہی نبی گذرا ہے جو سب نبیوں کا سردار اور پہلوں پچھلوں کا مقتدا تھا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔ انکا زمانہ بھی بہت پیچھے کا ہے اور انکا مدفن معلی بھی معلوم ہے۔ اور انکے بعد مسیح موعودؑ سے پہلے کوئی نبی نہیں گذرا۔ پس یہ اسرائیلی گھرانے کے نبی کی قبر ہے اور اسکے زمانہ اور نام اور کاموں سے فیصلہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام ابن مریم کا مدفن ہے۔ یہ بات کہ یہ مدفون انیس سو (۱۹۰۰) سال گذرے ہیں کہ مغرب کی طرف سے یہاں آیا۔ اور یہ کہ اپنی کتاب کا بشریٰ نام رکھا اور یہ کہ وہ بھی تمثیلوں میں باتیں کرتا تھا۔ جس میں سے بعض موجودہ اناجیل کی تمثیلوں سے ملتی جلتی ہیں۔ اور یہ کہ اسکی تعلیم انجیل کی تعلیم سے مشابہ ہے۔ اور یہ کہ وہ شہزادہ کہلاتا تھا۔ صاف ثابت کرتی ہے کہ یہ نبی حقیقت میں یسوع مسیح ہی تھا۔ پھر جب ہم یہودیوں کے منصوبوں کی طرف دیکھتے ہیں اور یسوع مسیح کی مغلوبانہ حالت اور اپنے وطن مالوف سے بھاگ کر کسی ایسے علاقہ میں پناہ لینی کی ضرورت جہاں پر یہودی پہنچ ہی نہ سکیں اور اسکی ہوا تک بھی سن نہ پاویں پر غور کرتے ہیں تو اس بات پر یقین زیادہ واثق ہو جاتا ہے۔

ایک اور امر اس بات کو اور بھی صاف کر دیتا ہے۔ مسیح کے مشن میں یہ بات بھی داخل تھی کہ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کرے۔ یعنی جو اسرائیلی فرقے متفرق ہو کر شام سے گم ہو گئے ہوئے تھے انہیں جمع کرے۔ ریویو آف ریلیجنز کے متواتر مضامین میں یہ امر ثابت کر کے دکھا دیا گیا ہے کہ کشمیری اور افغان لوگ بنی اسرائیل کے ان گم شدہ فرقوں کی نسل سے ہیں۔ یسوع مسیح تمام بنی اسرائیل کی طرف نبی ہو کر آیا تھا۔ انکی نبوت صرف ان دو قبیلوں کے لیے محدود نہ تھی جو شام میں موجود تھے۔ بلکہ ان سب کی طرف بھی وہ نبی تھے جو وہاں سے نکلکر مشرقی ملکوں میں جا آباد ہوئے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی طرف نبی ہونیکی وجہ سے اسکا فرض تھا کہ وہ دس گم شدہ قبایل بنی اسرائیل کو بھی وہ پیغام الٰہی پہنچاوے جس کی تبلیغ کے لیے مبعوث ہوا تھا۔ پس یہ ضروری تھا کہ شام کے رہنے والے دونوں قبیلوں میں تین سال منادی کر کے وہ مشرق کی طرف بڑھتا کہ تا وہاں بنی اسرائیل کے باقی متفرق شدہ قبایل کو تبلیغ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سمجھا جاتا کہ وہ اپنے منصب کے فرض کو پورا کرنے سے قاصر رہا۔ مسیح کی ہجرت کے مذکورہ بالا مقاصد کی تائید یسیعا $\frac{۵}{۵۲}$ سے بھی ہوتی ہے۔ کتاب جیوش انسائکلو پیڈیا جلد ۵ صفحہ ۲۱۴ کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ طالمود میں یہ پیشگوئی درج ہے کہ یسوع مسیح جب ظاہر ہو جاویگا تو پھر کچھ عرصہ بعد گم ہو جاویگا اور نوّے (۹۰) دن اسکا پتہ نہ لگیگا یہ گمنامی کا زمانہ ہوگا۔ ان نوّے (۹۰) دنوں سے حضرت مسیح کی

عمر کے پچھلے نوّے سال مراد ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ایک حدیث مروی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ برس ہوئی تھی۔ جو طالمودی روایت کی تائید کرتی ہے یعنی ۳۰ سال شام میں رہا اور ۹۰ سال وہاں سے گم ہو کر نصیبین۔ افغانستان۔ پنجاب اور کشمیر میں رہکر بادہ حیات لبریز کیا۔ اور سری نگر میں مدفون ہوا۔ غرض اب مسیح کو آسمان پر زندہ تلاش کرنا غلطی ہے وہ تو خانیار کے محلہ میں اپنی قبر کے اندر لیٹا ہوا ہے۔ اسے آسمانوں سے بادلوں پر سوار اور فرشتوں اور نرسنگے بجانیوالوں کے لشکروں کے ساتھ اُترتے دیکھنے کی انتظاری کچھ سود نہیں دیگی۔ وہ طبعی موت سے فوت ہو چکا ہے اور اسکا زندہ ہونا ناممکن ہے۔ جسطرح ایلیا کے دوبارہ نزول سے کوئی دوسرا شخص اس کے روح اور اخلاق پر اُترنا مراد تھا اسی طرح اس کے دوبارہ نزول سے کسی ایسے شخص کا اُترنا مراد ہے جو اس کے اخلاق اور قوتِ روحانیت پر نازل ہوگا۔ اور وہ موعود اب آچکا ہے۔ جو آپ لوگوں کے درمیان ہے۔ اور جو ٹھیک وقت مقررہ پر نازل ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اپنی صداقت کے ثبوت اُسی طرح موجود ہیں جسطرح پہلے نبیوں کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ اگر آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان ہے تو آپ کو میرزا غلام احمد صاحب کی نبوت پر بھی لازماً ایمان لانا پڑے گا۔

سلسلہ کی ضرورتیں اور سالانہ رپورٹ

اس رسالہ کے اصلی صفحات میں مینے آجتک ضروریات سلسلہ کے متعلق بہت کم تحریک کی ہے مگر چونکہ جسطرح اس سلسلہ کی صداقت کے دلایل اور نشانات سے احباب کو آگاہ رکھنا اس رسالہ کا فرض ہے ایسا ہی اس کی ضروریات سے انکو واقف کرنا بھی اسکا فرض ہے اس لیے اس نمبر کے باقی چند صفحات میں اس دوسری غرض کے حصول کی کوشش کرتا ہوں۔ اس سے پہلے کوئی تین ماہ کا عرصہ ہوا ہے مینے بعنوان "میری اپیل" ایک اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شایع کیا تھا۔ جس میں جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کے لیے اور اسکے بیرونی ممالک میں اشاعت کے بڑھانے کے لیے توجہ دلائی تھی۔ وہ اپیل بیکار نہیں گئی۔ اگرچہ اسکا جواب جماعت کے اس حصہ کیطرف سے جسپر زیادہ امید تھی ابتک کچھ نہیں ملا۔ اور نہ ہی کسی مقامی انجمن نے اسپر کوئی کارروائی کر کے اطلاع دی ہے مگر بہت سے دلوں پر اسکا اثر ہوا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ وہ اوراق ضایع نہیں ہوئے نہ ہی ان احباب کی بے توجہی سے جنکو مدِّنظر رکھکر مینے اس اپیل کو لکھا تھا میں دل شکستہ ہوتا ہوں کیونکہ وہ لوگ بجائے خود طرح

طرح کی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اور ہر امر کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقت مقرر ہوتا ہے۔ سو جب وہ وقت آجاتا ہے تو وہ خود اپنی جانب سے دلوں میں ایک تحریک پیدا کر دیتا ہے۔ انسان صرف الفاظ میں تحریک کر کے بعض باتیں دوسروں کے کانوں تک پہنچا سکتا ہے مگر دلوں میں تحریک کرنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ سو اس موقع پر بھی بضرورت یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ کی کیا کیا ضرورتیں ہیں اور وہ کیونکر پوری ہو سکتی ہیں پھر جس قدر اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے اسی قدر ان خدمات کی بجا آوری میں وہ حصہ لے سکیگا۔

قبل اس کے جو میں ان ضرورتوں کو ظاہر کروں یا گذشتہ کارروائی کے حال سے آپکو مطلع کروں میں ......
...... دو باتوں کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اول یہ کہ اس سلسلہ کا لوگوں کو اپنی مدد کی طرف بلانا اس رنگ میں نہیں جو دنیا کے دوسرے لوگ اختیار کر رہے ہیں اور دویم اسکی اغراض میں کوئی دنیوی غرض داخل نہیں۔ امر اول کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک نبی نے اپنے وقت میں یہ آواز دی ہے کہ من انصاری الی اللہ اور ایسا ہی اس زمانہ میں خدا کے برگزیدہ مسیح موعودؑ کے مُنہ سے بھی یہی آواز نکلی ہے مگر ان لوگوں کا جو خدا کی طرف سے آتے ہیں لوگوں کو اپنی نصرت کے لیے بلانا معمولی دنیوی رنگ میں نہیں ہوتا اور انکی آواز کا منشاء یہ نہیں ہوتا کہ ہمارا یہ کام یا سلسلہ بغیر تمہاری مدد کے چل نہیں سکتا۔ کیونکہ اُس سلسلہ کو جو خدا کی طرف سے ہو چلانیوالا خود اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ پس کسی انسان کی مدد اُس سلسلہ کی طرف ان معنوں میں منسوب نہیں ہو سکتی کہ اس کے بغیر وہ کام چل نہ سکتا تھا۔ بلکہ حکمت اس آواز من انصاری الی اللہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو بیکسی اور تنہائی کی گھڑیوں میں سالہا سال پہلے یہ خبر دیتا ہے کہ وہ خود انکی تمام ضروریات کا متکفل اور دکھوں اور مصیبتوں کی گھڑیوں میں انکا حامی اور ناصر ہوگا اور خود لوگوں کے دلوں میں یہ القا کریگا۔ کہ وہ اس خدائی سلسلہ کی مدد کے لیے اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کریں۔ پس ماموروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نصرت کا وعدہ پہلے سے ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے حضرت مسیح موعودؑ کے لیے بھی ایسا وعدہ نہ دو چار یا دس سال سے بلکہ پچیس برس پیشتر کتاب براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء اور یاتیک من کل فج عمیق۔ یعنی تیری مدد ایسے لوگ کرینگے جنکی طرف ہم خود آسمان سے مدد کرنیکے لیے وحی کرینگے اور ہر ایک دور کی راہ اور گہری راہ سے تیرے پاس نصرتیں آئیں گی۔ ایسے ہی اور وعدے نصرت کے براہین احمدیہ میں بکثرت موجود ہیں اور جو شخص براہین احمدیہ کو پڑھیگا وہ خود دیکھ سکتا ہے کہ اس وحی کے مہبط کو ان نصرت کے وعدوں پر کیسا یقین کامل ہے کہ انہی وعدوں کے بالآخر پورا ہونیکو اس کلام کے منجانب اللہ ہونیکا نشان قرار دیا ہے۔ پس جس صورت میں ایسے عظیم الشان وعدے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور پھر اس شخص کو ان وعدوں پر یقین بھی ایسا کامل ہو تو یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ معمولی

عمر کے پچھلے ں کے رنگ میں کسی سے مدد طلب کرے بلکہ اسکا من انصاری الی اللہ کی آواز دینے سے یہ منشا مردی ہے کہ تا جن لوگوں کی قسمت میں یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے مقدر کی ہوئی ہے وہ اسکی آواز کو سنکر اس سعادت شامل کرنیکے لیے دوڑیں۔ پس وہ لوگ بھی جنکو خدائے تعالیٰ اس نصرت میں حصہ لینے کی توفیق دیتا ہے لبریز کبن رکھکر نصرت نہیں کرتے بلکہ خود خدائے تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اسنے اس سعادت میں سے انکو بھی حصہ دیا۔ دوسرا امر مینے یہ بیان کیا تھا کہ الٰہی سلسلوں کی اغراض میں کوئی دنیوی غرض داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ محض خدائی دین کی ترقی اور حق کی اشاعت انکی اصل غرض اور اہم مقصد ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ دنیا کے لیے اور دنیوی ترقیوں کے لیے کام کرتے ہیں مگر وہ محض خدا کے لیے اور دین کی ترقی کے لیے کوشش کرتے ہیں۔

پس اے میرے دوستو! تمکو بھی ایک خدا کا برگزیدہ وہی آواز من انصاری الی اللہ کی اسوقت دے رہا ہے جو پہلوں کو دیگئی۔ اور وہ تمکو بلاتا ہے کہ تم دین اسلام کی ترقی اور اسکی اشاعت کے لیے جان توڑ کر کوشش کرو۔ تمہیں اسوقت ایک عجیب موقع دیا گیا ہے اور میں اس سلسلہ کا ایک ادنیٰ ترین خادم ہونیکی حیثیت سے آپ لوگوں کو جو اس سلسلہ میں داخل ہیں یہ مبارکباد دیتا ہوں کہ اسوقت دین کا میدان تمہارے لیے خالی چھوڑا گیا ہے تمام قوموں نے دنیا کا ایک ایک پہلو اختیار کر لیا ہے۔ کوئی قوم ملکی ترقی کے درپے ہے۔ کوئی تجارتی ترقی کے کوئی صنعتی ترقی کے کوئی تمدنی ترقی کے کوئی تعلیمی ترقی کے کوئی روپے اور مال کی ترقی کے۔ مگر اصل جڑھ جو دین ہے اسکو سب لوگ بھول گئے اور دنیا کے پیچھے ہمہ تن ہو گئے ہیں۔ دین کا پہلو اسوقت صرف ایک ہی قوم نے اختیار کیا ہے اور وہ ہے احمدی قوم جسکا امام دین کو زندہ کرنیکے لیے آیا ہے۔ احمدی قوم ہی اسوقت دنیا میں وہ اکیلی قوم ہے جسنے یورپ اور امریکہ میں اشاعت اسلام کا کام سب سے پہلے شروع کیا۔ کیا تعجب کی بات نہیں کہ مسلمانوں میں لاکھوں کے سرمایہ سے انگریزی اخبار اور رسالے جنکی غرض محض دنیوی اور ملکی ہے نکالے جاویں مگر دین کی اشاعت کے لیے چند ہزار کے سرمایہ سے بھی کوئی رسالہ نہیں نکالا جاتا؟ کیا قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے دین کے لیے اپنی جانیں اور اپنے مال قربان کر کے سچا نمونہ نہیں دکھایا؟ شاید بعض لوگ یہ کہیں گے کہ تعلیمی ترقی اور تمدنی ترقی اور مالی اور تجارتی ترقی اور ملکی ترقی یہ سب کچھ دین کے لیے ہی ہے مگر یہ سب جھوٹ ہے۔ ایک تعلیمی درسگاہ جو اسوقت سارے ہندوستان میں اسلام کی سب سے بڑی تعلیمی درسگاہ سمجھی جاتی ہے اُسیکا نمونہ دیکھ لو کہ اس میں سے جو قابل فخر نوجوان تعلیم حاصل کر کے نکلے ہیں وہ بجائے دینداری کا نمونہ ہونیکے دین کی تخریب کے درپے ہیں۔ مگر ابتدا سے یہی مقدر تھا کہ دین اسلام دوبارہ مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے ترقی پکڑیگا۔ اسیواسطے اس مسیح موعودؑ کے ساتھیوں کو آخرین منھم کہکر صحابہؓ کا ایک ہی گروہ قرار دیا گیا۔ مگر یہ مقام جیسے خوشی کا مقام ہے بڑے خوف کا مقام بھی ہے خوشی تو اسلیے کہ اللہ تعالیٰ اس پاک گروہ کے ساتھ اس جماعت کو ملانا چاہتا ہے جن کے دل نور ایمان سے بھر گئے تھے اور خوف کا مقام اسلیے کہ اس پاک گروہ کے ساتھ ملنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں وہ اُن مقدسوں کی طرح واقعی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کر دکھاویں جیسا بیعت کے وقت اقرار کرتے ہیں اور دین کے لیے ویسی ہی جانفشانیاں کر کے دکھاویں جیسی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیں۔ مگر ان باتوں کا حاصل ہونا آسان نہیں اور خوف ہے کہ جو شخص دین کے لیے

پوری سرگرمی سے قدم نہیں اٹھاتا اور پہلے راستبازوں کے نمونہ پر نہیں چلتا وہ اس جماعت سے الگ کر دیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ کا تو یہ ارادہ ہو چکا ہے کہ وہ دین اسلام کو حجج اور دلائل سے کل دینوں پر غالب کر کے دکھاوے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس نے وہی خارق عادت نشان اپنی ہستی پر قائم کیے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کیے تھے وہ نشان ہیں اقتداری پیشگوئیاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو جانفشانیاں صحابہؓ نے دکھائی تھیں انکی وجہ کیا تھی یہی کہ انکو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کامل حاصل ہو گیا تھا اور انہوں نے اس دنیا کی بے ثباتی کو خوب سمجھ لیا تھا۔ یہ کامل ایمان کیونکر حاصل ہوا؟ ان نشانات سے جو انکو دکھائے گئے اور انمیں سب سے بڑا نشان وہی اقتداری پیشگوئیاں تھیں یعنی ابتدائے زمانہ رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں جب آپکی حالت بالکل تنہائی اور بیکسی کی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی مکی سورتوں میں بڑے زور کے ساتھ یہ وعدے دیے جنکا اعلان شب و روز کفار میں کیا جاتا تھا کہ آپکو غالب کیا جائیگا اور آپکے کل مخالفین کو اپنے منصوبوں میں جو آپکے خلاف وہ کرینگے ناکام اور نامراد رکھا جائیگا۔ اور پھر ان تمام وعدوں کو جو دنیا کے لوگونکی نظر میں ایک مجنون کی بڑ تھی نہایت صفائی سے پورا کر کے دکھایا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آج سے پچیس برس پیشتر اپنے ایک بندے کے ساتھ جو اسوقت تنہائی اور گمنامی کی حالت میں تھا بڑے زور کے ساتھ یہ متواتر وعدے کیے کہ میں تجھے ایک بڑی جماعت دونگا اور دور دور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور طرح طرح کے منصوبے تمہارے برخلاف کیے جائیں گے اور سخت مخالفت کی جائیگی مگر مخالفوں کو ناکام کرونگا۔ یہ وعدے اسیوقت جو آج سے پچیس سال پہلے کا زمانہ ہے کتابوں میں شایع ہو کر ہر ایک ملت اور ایک فرقہ کے لوگوں تک پہنچا دیے گئے اور آج وہی تمام وعدے نہایت صفائی کے ساتھ پورے ہو رہے ہیں۔ سو اے احمدی قوم اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کا وہ بین ثبوت جو اس نے صحابہ کرام کو دیا تھا آپ لوگونکو بھی دے چکا اور خدا کی حجت پوری ہو چکی اور کھلے کھلے نشان ظاہر ہو چکے۔ اب وقت ہے کہ تم بھی دین کے لیے ویسی ہی جانفشانیاں کر کے دکھاؤ جیسی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیں۔ بلکہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سی سہولتیں بھی کر دی ہیں کیونکہ صحابہؓ کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب جان جیسی پیاری چیز دین کے لیے قربان کرنی پڑتی تھی اور وہ خوشی سے کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے دکھ اور صعوبتیں اٹھاتے اور مالوں اور جائداد سے الگ کیے جاتے تھے۔ مگر اس آخری گروہ کو خدا تعالیٰ نے ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جب دین کے لیے جنگوں کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ اسوقت کسی شخص کو دین کے لیے مارا نہیں جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اسوقت یہ آسانی کر دی ہے کہ آپ لوگ اپنی جانفشانی کا ثبوت محض انفاق مال سے دے سکتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد میں اب سلسلہ کی ضروریات کو مختصر طور پر ظاہر کرتا ہوں۔ اوّل۔ سب سے پہلی ضرورت اس سلسلہ کی لنگرخانہ اور مہمان خانہ کا قیام ہے۔ یہی وہ سب سے پہلی شاخ اس سلسلہ کی ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے بنیاد رکھی تاکہ طالبان حق امام پاک کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی ہستی کے وہ تازہ بتازہ نشان دیکھیں جو وہ اپنے بندے کے ذریعہ سے اس زمانہ میں ظاہر کر رہا ہے۔ علاوہ مہمانداری کے اخراجات کے اخراجات عمارت بھی درکار ہیں کیونکہ جیسے جیسے یہ سلسلہ ترقی کرتا ہے ویسے ویسے مہمانوں کی تعداد ترقی کرتی اور نئی عمارتوں کی ضرورت پیش آتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آج سے کئی سال پیشتر فرمایا تھا کہ وسع مکانک۔ اس حصہ کا ہر ایک بیعت کنندہ کو سب سے مقدم خیال رکھنا چاہیے نہ صرف اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مقدم کیا ہے بلکہ اسلیے بھی کہ اسکا اہتمام خود حضرت اقدس کے ہاتھ میں ہے اور یہ فکر ہر ایک کو چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ کمی آمد اور کثرت اخراجات کی تشویش آپ کے اوقات گرامی میں کبھی خلل انداز ہو۔ تمام متفرق اخراجات کو جیسے خط و کتابت اور تصنیف و عمارت لنگرخانہ وغیرہ ملا کر اس مد کا خرچ ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار سے کم نہیں اور سالانہ جلسہ کا خرچ مزید براں ہے۔ دوم۔ دوسری

ضرورت اس سلسلہ کی بچوں کی تعلیم ہی جس کے لیے حضرت اقدسؑ کے حکم سے یہاں ایک مدرسہ آٹھ سال سے قایم ہی۔ اس زمانہ میں دہریت اور مادہ پرستی کے خیالات کی زہریلی ہوا سے بچے صرف اسی طرح متاثر ہونے سے بچ سکتے ہیں کہ انکی تعلیم اور تربیت شروع سے ہی ایسے طور سے کیجاوے کہ ان خیالات کا مقابلہ وہ کر سکیں۔ ایسا ہی گذشتہ سال میں حضرت اقدسؑ نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا کہ اس جماعت میں ایک سلسلہ واعظین اور علماء کا ہمیشہ قایم رہنا چاہیئے جسکے لیے علاوہ ہائی سکول کے جس میں مروجہ تعلیم کے ساتھ خاص طور پر تعلیم دینی دیجاتی ہی ایک شاخ دینیات کی اس دوسرے منشاء کو پورا کرنیکے لیے کھولی گئی ہی۔ اس سال میں مدرسہ نے ایک غیر معمولی ترقی کی ہی۔ تعداد طلباء جو کئی سال سے ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ ہوتی تھی اس سال میں دو سو سے بھی بڑھ گئی ہی۔ اور ایسا ہی بورڈنگ ہوس میں جہاں صرف چالیس بورڈر ہوتے تھے آجکل ایک سو بورڈر سے بھی زیادہ ہیں مدرسہ کے محکمہ تعلیم کی زیر نگرانی آجانیسے اور تعداد طلباء کے بڑھنے سے لازماً اخراجات بھی بڑھ گئے ہیں۔ اور سات ہزار روپیہ سالانہ کی بجائے جو ۱۹۰۵ء میں خرچ ہوا تھا اس سال میں نوہزار روپیہ خرچ ہوا ہی۔ اب اسوقت چند ضرورتیں مدرسہ کے متعلق درپیش ہیں جنکو میں سلسلہ وار بیان کرتا ہوں (۱) ۱۹۰۷ء میں مدرسہ کے لیے چھیالیس ہزار روپے سے زیادہ کی منظوری دیگئی ہے جس میں سے تیس ہزار روپیہ عمارت کا ہی جسکا ذکر میں آگے کرونگا اور ۱۶ ہزار روپیہ معمولی اخراجات کا ہی۔ جو صاحبان مدرسہ کا چندہ پہلے دے رہے ہیں میں انکی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں مدرسہ کے معمولی اخراجات پہلے کی نسبت تگنے چوگنے ہو رہے ہیں۔ پہلا چندہ کافی نہیں رہا۔ اب مدرسہ کی ضروریات کے لحاظ سے انکو چندہ کی رقم بھی بڑھانی چاہیے۔ اور نیز یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر کوئی صاحب ایسے ہوں جو ابھی تک مدرسہ کا چندہ نہ دیتے ہوں تو انکو بھی شامل کیا جاوے (۲) ماہوار چندوں کے علاوہ ایک یہ تجویز کیگئی تھی کہ دونوں عیدوں پر ہر ایک احمدی ایک روپیہ مدرسہ کی اعانت میں داخل کرے اس فنڈ کا نام عید فنڈ رکھا ہی۔ اگر جماعت متفق ہوکر صرف اسی فنڈ کا روپیہ جمع کرنیکی کوشش کرے تو آسانی سے سال تمام کا معمولی خرچ ایک ہی عید پر جمع ہو سکتا ہی۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کیجاتی حالانکہ عید جیسے موقع پر ایک روپیہ کا دینا کچھ بھی دشوار امر نہیں۔ اب عید قریب ہے اور میں تمام احمدی انجمنوں اور احمدی احباب کی خدمت میں دردِ دل سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ مدرسہ کی مالی حالت بہت نازک ہے۔ اگر ایک عید پر ہی پوری توجہ سے کام لیا جاوے تو پندرہ بیس ہزار روپے کا جمع ہونا کوئی مشکل امر نہیں اسکی طرف پوری توجہ کریں اور ہر ایک جگہ ہر ایک احمدی اس فنڈ میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھے۔ ہاں ذی وسعت احباب ایک روپیہ کو اپنے لیے کافی نہ سمجھیں بلکہ پانچ پانچ دس دس روپے دیکر غریب احباب کی کمی کو پورا کرنیکی کوشش کریں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس موقع پر ہر ایک احمدی جماعت عید فنڈ کا اسقدر روپیہ جمع کرنیکی کوشش کریگی جسقدر اسکے کل ممبروں کی تعداد ہی۔ (۳) تمام احمدی احباب اپنے بچوں کو اسی جگہ تعلیم دینا ضروری سمجھیں اس میں انکی اور انکی اولاد کی بہتری ہے۔ یہاں سے جسقدر نوجوان تعلیم کا کورس پورا کرکے نکلے ہیں خدا کے فضل سے علوم دینی سے خوب واقف اور نیکی اور چال چلن میں نمونہ ہیں۔ (۴) بڑا درد پہنچتا ہے جسوقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ ابھی تک ہماری قوم میں دین کیلیے اپنی زندگی وقف کرنیوالے بہت تھوڑے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ایسے کھلے کھلے نشانات صداقت کے دیکھے ہیں انہیں تو چاہیئے تھا کہ دیوانہ وار یہاں آگرتے۔ مگر بہت ہی افسوس ہے کہ بہت کم اس پہلو کیطرف توجہ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی ایک قوم اسوقت دنیا میں نمونہ قایم کرنیوالی تھی۔ کیا افسوس کا مقام نہیں کہ آپ لوگ دین کے لیے اسقدر کوشش اور قربانی بھی نہ کر سکیں جسقدر لوگ دنیا کے لیے کر رہے ہیں حالانکہ تم ایک روشن صداقت اور حق پر قایم ہو۔ مدرسہ کے لیے ہمیں چند ایسے قربانی کرنیوالوں کی ضرورت ہے۔ یہ تو میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسے بہت آئیں گے مگر افسوس ان پر ہوگا جنکو اسوقت موقع ہی اور وہ سست ہو رہے ہیں (۵) پانچویں ضرورت مدرسہ کے متعلق عمارت کی ہے۔ اگرچہ روپیہ تو بہت درکار ہوگا مگر اس سال صرف تیس ہزار روپیہ عمارت پر خرچ کرنا صدر انجمن احمدیہ نے منظور کیا ہے۔ ایک دوست نے اس منظوری کیوقت یہ سوال کیا تھا کہ اسقدر روپیہ جمع بھی ہے؟ جسکا جواب یہی دیا گیا تھا کہ ہمارا روپیہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں جمع ہے اور ہم پوری امید رکھتے ہیں کہ جس خرچ کی ہمیں ضرورت ہوگی وہ ضرور پہنچائیگا۔ عمارت کے خرچ کو پورا کرنیکے لیے ذیل کی چند تجاویز پیش کیجاتی ہیں۔ ۱۔ ذی وسعت احباب اگر اسیقدر ضروری اس عمارت کی بنانیکو سمجھیں جیسا وہ اپنے لیے گھر وں کی ضرورت سمجھتے ہیں اور اسپر سیکڑوں بلکہ ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں تو بہت سے دوست ایسے نکل سکتے ہیں جو ایک

ایک کمرہ مدرسہ کا جس پر پندرہ سو روپیہ خرچ ہوگا یا ایک ایک کمرہ بورڈنگ کا جس پر پچیس سو روپیہ خرچ ہوگا اپنے خرچ سے فی سبیل اللہ بنوا دیں۔ میں ایسے کئی دوستوں کے نام لکھ سکتا ہوں مگر دل چاہتا ہے کہ وہ خود ہی اس کار خیر میں ابتدا کریں۔ اگر دینی ضرورت کو اپنی ضرورتوں کی طرح ہی سمجھ لیا جاوے تو بہت سے ہمت والے جوانمرد پیدا ہو سکتے ہیں جو اس کام کو اپنے ذمہ لیں ہاں یہ ضروری نہ ہوگا کہ سارا روپیہ یکمشت ہی دیدیں بلکہ اثنائے سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے دیتے رہیں تو بھی مکانات کے بنانے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ ب۔ اس سے کم وسعت والے احباب دو دو یا تین تین ملکر ایک ایک کمرہ بنوا دیں ایسے کمروں کے نام ان احباب کے نام پر رکھے جاویں گے ج۔ معقول چندے اس غرض کے لیے دیے جاویں ۔۔۔۔ د۔ وہ احباب جنکے پاس کوئی سرمایہ جمع ہو تجارتی طور پر اسی یہاں لگا کر مکان بنوا دیں اور انکا کرایہ ماہوار لیتے رہیں۔

سوم۔ اشاعت اسلام۔ اس مد کا کام بالفعل بذریعہ میگزین یعنی ریویو آف ریلیجنز کے ہو رہا ہے۔ اس سال میں اس مد میں خدا کے فضل سے بہت ترقی ہوئی ہے۔ اردو خریداروں کی تعداد میں دو سو کا اضافہ ہوا ہے۔ انگریزی میں ۲۵ کا مفت اشاعت میں دو سو کے قریب ماہوار پرچے پہلے سال کی نسبت زیادہ بھیجے جاتے ہیں بیرونی اشاعت کل قریباً پانچسو ہے۔ دو کتابیں بھی مفت اشاعت کے لیے طبع کرائی گئی ہیں جو انگریزی میں ہیں۔ اب آیندہ کے لیے سب سے مقدم ضرورت وہ ہے جسے میں اپیل میں ظاہر کر چکا ہوں یعنی ہر پرچہ کو دس ہزار کی اشاعت تک پہنچانا۔ یہ حضرت اقدسؑ کا ارشاد ہے اور اسلیے امید ہے سب احباب کوشش کریں گے۔ اعانت کا سلسلہ بھی وسیع ہونا چاہیئے تاکہ اس سال اور بھی زاید پرچے بھیجے جا سکیں۔ مگر ایک نئی ضرورت انگریزی مطبع کی اسجگہ قایم کرنیکی ہے جس کی ضرورت اور خرچ کو پورا کرنیکی تجویز پچھلے مہینے ظاہر کر چکا ہوں۔ کثرت سے احمدی احباب نے اس تجویز کو پسند کیا ہے بلکہ بعض غیر احمدی احباب نے بھی خوشی سے مطبع کا چندہ دینا خود ہی منظور فرمایا ہے۔ یہ چندہ ایک روپیہ کی کمی کو پورا کر دیگا۔ اسکی طرف جلد توجہ بکار ہے تاکہ اگر ابتدائی سال میں رقم جمع شدہ کا اندازہ لگ جائے تو ولایت سے مشین اور ٹائپ منگوانیکی تجویز کیجاوے **چہارم۔** چوتھی مد سلسلہ کی مقبرہ بہشتی ہے جسکے لیے سال گذشتہ میں بہت کم توجہ ہوئی ہے اس میں بجائے وصیت کے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر جایداد کا حصہ وصیت کرنے میں قانونی مشکلات ہوں تو دسواں حصہ آمد کا دیدیا جاوے دیگر اعانتی چندے اسی دسویں حصے سے وضع کیے جاوینگے۔ **پنجم۔** ایک ضروری مد صدقات کی ہے۔ یہاں کچھ مساکین اور کچھ یتامی ہیں جنکی پرورش پر قریب دو سو روپیہ ماہوار کے خرچ آتا ہے۔ زکوٰۃ کیطرف اگر جماعت پوری توجہ کرے تو بہت سی برکات کا باعث ہوگا دینے والوں کے اپنے مالوں کیلیے بھی اور سلسلہ کے لیے بھی۔ **ششم۔** ایک بکڈپو ہے جس میں علاوہ مروجہ تعلیم مدارس کی کتابوں کے اور بھی بہت سی کتابیں فروخت کے لیے ہیں۔ اور اب ایک ماہوار رسالہ تعلیم الاسلام نکالا جاتا ہے جس میں نہایت لطیف تفسیر قرآن کریم کی درج ہوتی ہے۔ اس غرض سے کہ یہ رسالہ ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہو۔ اس کی قیمت صرف عہ رکھی گئی ہے۔ **ہفتم۔** اگرچہ اخبارات کے مالی اور انتظامی امور صدر انجمن احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتے مگر اصل بات یہ ہے کہ الحکم اور بدر اس سلسلہ کے لیے دو ایسے ضروری خبر رساں ہیں کہ سلسلہ کے حالات سے آگاہی کے لیے انکا ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔ وہ تازہ نشان اور تازہ الہامات اور دیگر تازہ اخبار جو ہر شخص سننے کے لیے بیتاب نہیں رہ سکتا اسکو یہ دونوں اخبار بھائیوں تک پہنچاتے ہیں۔ قادیان میں رہکر میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ جب یہ اخبار نکلکر آتے ہیں تو پہلے انکو پڑھکر (خصوصاً ضروری حصص کو) پھر دوسرا کام کرتا ہوں۔ الحکم تو اس سلسلہ میں نو دس سال کا پرانا اور قیمتی اخبار ہے مگر بدر نے جو ترقی میرے مکرم دوست **صادق** کے ہاتھ میں آکر کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

نوٹ: ترسیل زر اور خط و کتابت کے متعلق ٹائٹل پیج پر ضروری ہدایات پڑھیں۔

از محکمہ صاحب ڈائرکٹر بہادر زراعت پنجاب

ہدایت دربارہ دور کرانے ناقص بیج کپاس کے پیشتر از تخم ریزی

۱۔ تخم کپاس کو ہر سال ایک خاص قسم کے چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے بہت بہت نقصان پہنچتا ہے۔ یہ کیڑے کھلے ہوئے ٹینڈوں کے اندر جب وہ پودہ ہی پر لگے ہوتے ہیں۔ گھس جاتے ہیں۔ اور بنولوں (بڑیوں) کا تیل چوستے رہتے ہیں۔ اسطرح پر جن بنولوں (بڑیوں) کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ وہ بوئے جانے پر اول تو اُگتے ہی نہیں۔ اور جو اُگتے بھی ہیں تو پودے کمزور پیدا کرتے ہیں۔ اس قسم کے ناقص تخم کو چُن کر علیحدہ کر لینا آسان بات نہیں البتہ ایک اور آسان طریقہ ہے جس سے ناقص اور عمدہ تخم علیحدہ علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ ۲۔ ناقص تخم عمدہ تخم کی نسبت ہلکا ہوتا ہے۔ اور پانی پر تیرتا ہے جب کہ عمدہ تخم پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ ۳۔ تمام زمینداروں کو چاہیئے کہ بونے سے پہلے اسی روز بنولوں (بڑیوں) کو گوبر۔ چکنی مٹی اور پانی میں خوب مَلیں۔ پھر اس مَلے ہوئے تخم کو پانی سے بھرے ہوئے برتن میں ڈالدیں۔ عمدہ تخم تہ میں بیٹھ جائیگا۔ اور ناقص تیرتا رہیگا ناقص تخم کے علیحدہ کرنیکے لیے یہ نہایت ہی سیدھا سادہ اور آسان طریقہ ہے۔ جس میں محنت کم ہے۔ اور فائدہ زیادہ۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان۔ ماہ نومبر ۱۹۰۶ء

سید امیر علی و سید عبدالستار صاحبان۔ کٹک ۴؍۔ سید مدثر شاہ صاحب۔ پشاور۔ ۵؍۔ میاں سلیمان صاحب۔ راجوہ۔ ورداں حیدر آباد دکن ۱؍۔ مولوی محمد حسین صاحب نمبردار۔ پر مجیت پورہ ۲؍۔ قایم علی صاحب۔ مدرس۔ چک نمبر ۱۲۷۔ بہلول پور ۱؍۔ محمد الٰہی صاحب ایس۔ ڈبلیو۔ انسپکٹر۔ کوہاٹ ۴؍۔ چودھری احمد الدین صاحب نقلنویس و محرر لوکل فنڈ کوہاٹ۔ ۸؍ مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخان ۲؍۔ بابو برکت علی صاحب شملہ ۱۵؍۔ بابو عبدالرحمٰن صاحب شملہ۔ ۲؍۔ جماعت کریام معرفت مولوی غلام احمد صاحب ۱؍۔ عالمگیر خانصاحب۔ جبلپو۔ ۲؍۔ بابو عبدالرحمٰن صاحب۔ انبالہ ۲؍۔ منشی طفیل احمد صاحب۔ چندوسی ۸؍ غلام رسول صاحب مدرس بجواڑہ۔ ۵؍۔ ایک احمدی طالب علم۔ قادیان ۲؍۔ زین الدین محمد ابراہیم صاحب۔ بمبئی ۱۲؍۔ ڈاکٹر محمد فیاض خان صاحب۔ قلعہ دانو۔ ۸؍ منشی محمد حافظ صاحب۔ سرینگر ۵؍۔ ڈاکٹر سید جلال صاحب۔ بربرہ۔ ۲؍ منشی حامد حسن خانصاحب میرٹھ ۲؍۔ منشی عبدالمجید صاحب ماڈہولپور ۸؍ بابو محمد عثمان صاحب الہ آباد ۱؍۔ میاں عبدالعزیز صاحب تیجہ کلاں ۲؍ مرزا محمد احسن بیگ صاحب کشن گنج۔ کامٹہ ۵؍۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب۔ قادیانی۔ کشن گنج۔ کامٹہ ۵؍۔ ابو عبداللہ غلام محمد صاحب بہلوال ۸؍ بابو برکت علی صاحب شملہ ۱۵؍ بابو عبدالرحمٰن صاحب۔ شملہ ۱۵؍ جماعت بنارس ۳؍ (باقی آیندہ)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

ضروری ہدایتیں

خط وکتابت کے لیے، یا روپیہ بھیجتے وقت ان چند ہدایتوں کو سب احباب مدّنظر رکھیں۔ (۱) ہر قسم کا روپیہ جسکا تعلق صدر انجمن احمدیہ سے ہے۔ مثلاً مدرسہ یا میگزین یا مقبرہ یا زکوٰۃ یا مساکین فنڈ یا یتیم فنڈ یا رسالہ تعلیم الاسلام کا روپیہ صرف بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے اور کوپن میں یا الگ خط میں اس کی تفصیل ہونی چاہیے کہ کس شخص کی طرف سے کس مد کا روپیہ ہے (۲) ہر ایک رقم کی باضابطہ رسید دفتر محاسب سے دیجاویگی اور جس شخص کو رسید دفتر کی نہ پہنچے اسی خط وکتابت کر کے دریافت کرنا چاہیئے۔ (۳) لنگر خانہ کا روپیہ حضرت اقدسؑ کے نام آنا چاہیئے۔ لیکن جہاں اور مدات کا چندہ ساتھ ہو۔ تو محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام بھیجیں اور تفصیل ساتھ دیں۔ وہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ (۴) میگزین کے متعلق کل خط وکتابت مینیجر یا نائب ناظم میگزین سے کریں اور کسی شخص کے نام پر خط وکتابت نہ کریں مگر مضامین کے متعلق ایڈیٹر میگزین سے خط وکتابت کریں۔ (۵) مدرسہ کے متعلق کل خط وکتابت ہیڈ ماسٹر یا نائب ناظم مدرسہ تعلیم الاسلام سے اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے کریں۔ (۶) مقبرہ بہشتی کے متعلق کل خط وکتابت نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے کریں اور ایسا ہی وصیتیں وغیرہ بھی اسی کے نام بھیجیں۔ (۷) چونکہ وقتاً فوقتاً عہدہ داران میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اسلیئے جو احباب قادیان میں خط وکتابت کرتے ہیں۔ انکی اپنی سہولت جواب کے جلدی ملنے میں اور کام کرنیوالوں کی سہولت اسی میں ہے کہ دستخط کنندہ کے نام پر کبھی خط وکتابت نہ کریں بلکہ صرف عہدہ پر کریں جیسا کہ اوپر ہدایت کیگئی ہے ایک دفتر کا خط دوسرے دفتر میں چلے جانیسے یا کسی خاص آدمی کے نام پر چلا جانیسے جواب میں عموماً بہت توقف ہو جاتا ہے اور خط کے ضایع ہو جانیکا اندیشہ بھی ہے۔

المعلن

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ساکن راہوں۔ ضلع جالندھر۔ جنہوں نے لنڈن۔ اسٹریلیا افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور انکے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں۔ ہماری جماعت کے مخلص ہیں میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو ان سے نفع پہنچے گا۔ دستخط (نور دین)